TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222321
LIBRARY
UNIVERSAL

Osmania University Library

Call No.

Name of Book

Name of Author

222321

سلسلۂ کلام اساتذہ

انتخاب

غزلیات ذوق

(جس میں ملک الشعراء خاقانی ہند خان بہادر شیخ محمد ابراہیم

کے متفرق اشعار بھی شامل ہیں)

مع

موازنہ ذوق و غالب

از

آنریبل جسٹس ڈاکٹر شاہ صاحب ایم اے ایل ایل ڈی

بیرسٹر ایٹ لا جج ہائیکورٹ الہ آباد

بار اول

۱۹۳۲ء

۱۳۹۷۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

اُستاد ذوق کے قصائد کا مجموعہ مع مثنوی و قطعات و رباعیات اس سے قبل شایع کر چکا ہوں۔ اس وقت یہ ارادہ نہ تھا کہ غزلیات بھی اس سلسلہ میں شایع کروں لیکن بعد میں چند احباب کے اصرار سے غزلیات کے انتخاب کرنے کا قصد ہوا۔ قصائد کی ترتیب میں زیادہ دقت محسوس نہ ہوئی کیونکہ اس میں انتخاب کی کوشش درپیش نہ تھی۔ غزلیات میں ترتیب کلام کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ہر نسخہ میں غزلیات ردیف وار درج ہیں۔ مگر ترتیب سے زیادہ دشوار امر انتخاب اشعار پیش آیا۔ ذوق جیسے استاد کے اشعار کو چھانٹنا کوئی سہل کام نہ تھا۔ ہر شعر اعلیٰ اور مایۂ ناز نکلا۔ تاہم خوبی کے بھی مدارج ہو سکتے ہیں۔ ایک عمدہ شعر سے دوسرا شعر زیادہ عمدہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے انتخاب امکان سے باہر نہیں مگر اس کے لیے کوئی ماہر فن ہونا چاہیے۔ میں نے اپنے میں یہ استطاعت نہ پائی اور اولاً انتخاب کرنے سے محترز رہا۔ بعد کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اُستاد ذوق کے کلام کی خوبی یہ ہے کہ کچھ اشعار خواص کے لیے ہیں اور کچھ عوام کے لیے۔ ہر غزل میں سے ہر شخص اپنی رغبت خاطر کے موافق اپنے لیے اشعار منتخب کر سکتا ہے جس کو وہ بہتر سمجھتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ بقیہ اشعار حقیقتاً اچھے نہیں بلکہ یہ کہ انتخاب کنندہ نے اپنے مزاج

اور طبیعت کے مناسب اشعار منتخب کیے ہیں۔ اس اصول کو مدنظر رکھ کر ہر شخص کے لیے یہ آسان ہی کہ اپنے مذاق کے لحاظ سے اشعار چھانٹ لے۔ چنانچہ میں نے اُن اشعار کو انتخاب میں رکھا ہی جو مجھے مرغوب معلوم ہوئے۔ مجھے اس کا اعتراف ہی کہ ممکن ہی کہ چند اشعار جن کو میں نے ترک کیا ہی ایسے بھی ہوں جو دیگر اہل مذاق کی نگاہ میں اعلیٰ درجہ کے ہوں اس لیے جو اشعار چھوڑ دیے گئے ہیں اُن کے متعلق یہ تصور نہ کیا جائے کہ میں اُن کو شاعرانہ معیار سے عمدہ نہیں سمجھتا بلکہ صرف یہ خیال کیا جائے کہ یہ انتخاب ایک انگریزی داں کی نقطۂ نگاہ سے کیا گیا ہی نہ کہ شاعر کے لحاظ سے۔ باوجود ان خامیوں کے یہ امید کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ عموماً اچھے اچھے اشعار اس انتخاب میں ضرور آگئے ہوں گے۔

جلد اول میں ذوق کے تاریخی حالات اور ان کے کلام پر ایک مختصر تنقید شامل ہے اس لیے اُس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ جلد اول کا دیباچہ ملاحظہ ہو۔

سبب انتخاب

اکثر صاحبوں کو شاید یہ خیال پیدا ہو کہ انتخاب غزلیات مناسب نہ تھا۔ اس لیے انتخاب کرنے کی وجہ درج کرتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ بوجہ خلفشار زمانہ غدر ذوق کے کلام کا کثیر حصہ ضائع ہو گیا۔ صرف ایک قلیل حصہ باقی رہ گیا ہی۔ اور اس پر بھی میں نے اُس قلیل حصہ میں سے انتخاب کرنے کی جرات کی ہی۔ جس قدر کلام موجود ہی وہ مقدار میں بہت کم ہی اور صرف چیدہ اشعار پر مشتمل نہیں بلکہ اُس میں ہر پایہ کے اشعار موجود ہیں اس لیے انتخاب کی گنجایش ہی۔ حضرت آزاد کو جو غزلیات وستیات نہ ہو سکیں وہ بدرجہ مجبوری چھوٹ گئیں لیکن جتنے اشعار دستیاب ہو سکے اُن کو دیوان میں درج کر دیا بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس پایہ کے ہیں برخلاف اس کے غالب کے چھوٹے دیوان کا بھی خود اُن کی حیات میں مولوی فضل حق اور مرزا خان نے انتخاب کیا اور صرف عمدہ اور عام فہم اشعار قایم رکھے اس سے انکار

نہیں کیا جا سکتا کہ علاوہ خوبی کلام غالب ایک بڑی وجہ اس کی زیادہ مقبولیت کی یہ ہوئی کہ صرف چیدہ اشعار شایع کیے گئے برعکس اس کے ذوق کا بیشتر کلام ضایع ہوگیا لیکن انتخاب کی نوبت نہ آئی جو رتبہ ذوق کو اپنی حیات میں حاصل ہوا وہ غالب کو نہ ہوسکا اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ وہ بادشاہ کے اُستاد تھے بلکہ اکثر موقعوں پر اور مشاعروں میں معرکہ آرائیاں ہوا کرتی تھیں۔ غالب کا کلام عام فہم نہ تھا اور مشاعرہ کے لیے اُس قدر موزوں نہ تھا جیسا کہ ذوق کا۔ اُن کے کلام کی پاکیزگی نے ذوق کو اُستاد بنا یا لیکن بعد کو غالب کے منتخب دیوان نے زیادہ مقبولیت حاصل کرلی۔ کاش ذوق کے دیوان کا بھی انتخاب ہوا ہوتا تو موجودہ حالت سے زیادہ مقبول ہوتا۔

موازنہ ذوق و غالب

ذوق اور غالب کے پایہ کے اساتذہ کا موازنہ ایک مشکل امر ہے کیونکہ رنگ دونوں کا جداگانہ ہے۔ تفصیلی موازنہ کی نہ ہمت ہے نہ وقت میں وسعت۔ صرف چند باتیں جو دونوں میں نمایاں ہیں اُن کو مختصر طور پر درج کرتا ہوں۔

قصائد

دونوں اُستادوں کے قصائد کا مقابلہ کرنے سے قصیدہ گوئی میں ذوق کو ترجیح دینا پڑتی ہے۔ قدرت کلام کثرت قوافی و بلند خیالی ذوق کا مرتبہ بڑھاتے ہیں حقیقت میں ذوق کے پایہ کا قصیدہ کہنے والا اُردو زبان میں اب تک کوئی شاعر نہیں گزرا۔ مرزا رفیع سودا پر بھی ترجیح دینا بیجا نہیں۔ مومن خاں کا رتبہ بھی قصیدہ گوئی میں ذوق سے کم تھا۔ دیگر ہمعصر شعراء تو کسی طرح بھی ہم پایہ نہیں ہوسکتے۔ افسوس ہے کہ ذوق کے قصائد میں سے صرف چند قصائد موجود ہیں لیکن جو کچھ ہیں وہ ان کی شاعری کے اعلےٰ درجہ کو دکھاتے ہیں۔ اکثر قصائد مفقود ہیں خود وہ قصیدہ جس پر خاقانی ہند کا خطاب عطا ہوا تھا گم ہے۔ صرف تین شعر باقی ہیں مطلع یہ ہے۔

جب کہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن　　آب و ایلولہ ہوے نشو و نمائے گلشن

غالب کے قصائد میں بجز چند وہ خوبیاں نہیں پائی جاتیں جو ذوق کے قصائد میں ہیں۔ صرف بلاغت اور ترکیب الفاظ ہی پر انحصار نہیں بلکہ نازک خیالی میں بھی ذوق کے قصائد اپنا جواب نہیں رکھتے حقیقت میں قصائد ہی نے ذوق کو مسلم الثبوت اُستاد بنایا۔ اتفاق سے ان دونوں اُستادوں کے ایک ہی بحر و ردیف و قافیہ کے کوئی دو قصیدے موجود نہیں جن کا پورے طور پر مقابلہ کیا جاسکے صرف دو قصائد ہم ردیف و قافیہ ہیں اور غالب کا ایک قطعہ ذوق کے

ایک قصیدہ سے ملتا ہی لیکن یہ تین قصائد ذوق کے بہترین قصائد میں سے نہیں۔ ذوق کا مطلع ہی

قلم جو صفحہ کاغذ پہ ہووے نکتہ نگار — تو اپنے نقش مٹا دیں جہاں کے جادوگار

اس قافیہ میں غالب نے ایک زبردست قصیدہ تحریر کیا ہی مطلع ہی

سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار — سایۂ لالۂ بیداغ سویدائے بہار

اور ایک قطعہ بھی ہی

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ — اے جہاندار آفتاب آثار

ذوق کا مطلع ہی

تازیانہ دہر میں فلسفی کا یہ کلام — ہی بڑا افلاک لائم نفی خرق والتیام

اس خیال کے ادا کرنے کے لیے کہ محمد شاہ اکبر کا رتبۂ عالی ہمیشہ فزوں ہو جب تک کہ دُنیا کی دیرپا چیزیں قایم رہیں۔ لاجواب تمثیلیں یکجا کی ہیں۔

اس قافیہ میں غالب کا مطلع ہی۔

ہاں مہ نو سنیں ہم اس کا نام — جس کو تو جھک کے کر رہا ہی سلام

قصیدہ خوب ہی لیکن ذوق کے ہم قافیہ قصیدہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ذوق کا مشہور قصیدہ ہی

لا نا نیرنگ سے ہی رنگ نئے چرخ محیل — واہ بگڑا ہی کچھ اس خم میں عجب رنگ سے نیل

اس بحر و قافیہ میں غالب کا مشہور قطعہ ہی

ای شہنشاہِ فلک منظر بے مثل و نظیر — ای جہاندار کرم شیوہ و بے شبہ و عدیل

مقابلے سے ذوق کی قدرت کلام کا اندازہ ہو سکتا ہی۔

مثنوی

ذوق کی مثنوی نامۂ جانسوز موجود ہی لیکن بالکل ناتمام منجملہ زائد از پانصد اشعار کے صرف

۸۳ اشعار باقی ہیں اگر مکمل موجود ہوتی تو شائد میر تقی میر کی مثنویات کا جواب ہوتی طرز یہ ہے۔

زینتِ نامہ زیبِ سرنامہ   چاہیئے نام اُسی کا اے خامہ

غالب کی کسی مثنوی کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ البتہ انبہ کی صفت میں جو اشعار ہیں وہ مثنوی کے طرز پر ہیں۔ اور ذوق کی مثنوی کے ہم بحر ہیں۔

کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز   ہاں دلِ دردمند زمزمہ ساز

لیکن میر کا انداز یا سادہ پن نہیں۔

سہرا

غالب کے سہرے کے جواب میں ذوق نے اُسی بحر و ردیف و قافیہ میں برجستہ سہرا تحریر کیا جو بلا شبہ غالب کے سہرے سے نمبر لے گیا۔ غالب کی طبع آزمائی کے بعد پھر اُنھیں قافیوں کو باندھنا اور بڑھا دینا کمال تھا۔

غالب کا مقطع تھا

دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا   ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

ذوق کا مقطع یہ ہوا۔

دیکھو اس طرح سے لکھتے ہیں سخنور سہرا   جن کو دعویٰ ہے سخن کا یہ سنا دو اُن کو

غالب نے خود اس سہرے کی شان کا اعتراف کیا اور وہ مشہور قطعہ لکھ کر حضور میں بھیجا جس کا ایک شعر ہے

یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے   اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال

قطعات

غالب کے قطعات قصیدہ نما ہیں اور قصیدہ کی طرز میں ہیں۔ اس لحاظ سے ذوق کے چھوٹے قطعات سے مقابلتہً بلند تر ہیں۔ غالب کے تین قطعات کا ذکر اوپر آچکا ہے ایک اور قطعہ

چلنی ٹولی کی تعریف میں خوب لکھا ہے۔ دیگر قطعات غالب کے ذوق کے قطعات سے عمدگی میں کچھ زیادہ نہیں بلکہ شاعرانہ معیار سے ہم پلہ ہیں۔ نمونہ کے لیے دو دو قطعات درج کیئے جاتے ہیں۔

غالب۔ افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو　　اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو　　روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

دیگر　سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی　　مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے
تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد　　تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوئے

ذوق　ہم نے کہا کہ بوسہ تمھیں دو ادب سے میں　　لاسکتا اپنا منہ نہیں چاہِ ذقن کے پاس
ہنس کر کہا کہ جاتا ہے پیاسا کنوئیں پہ آپ　　یا جاتا ہے کنواں کسی تشنہ دہن کے پاس

دیگر　تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق　　ہے برا وہ ہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے　　کیوں برا کہنے سے تو اس کے برا مانتا ہے

بڑے قطعات میں غالب کا پُرجوش قطعہ حقیقتاً لاجواب ہے۔

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل　　زنہار اگر تمھیں ہوسِ نائے و نوش ہے

اسی طور پر شبِ ہجر کے بیان میں ذوق کا پُردرد قطعہ اپنا مثل نہیں رکھتا۔

کہوں کیا ذوق احوالِ شبِ ہجر　　کہ تھی اک اک گھڑی سو سو مہینے

رباعیات

دونوں اُستادوں کی رباعیات مساوی درجہ کی ہیں لیکن انیس کی رباعیات کے مقابل نہیں۔ ملاحظہ ہوں رباعیات جن کے آخر مصرعے ذیل میں درج ہیں۔

غالب　سونا سوگند ہو گیا ہے غالب
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ذوق　اب پیر ہوا۔ پیر خرابات ہوا
اب جائیں گے اوروں کو سُلا جائینگے

ذوق	غالب
جانا تو یہ جانا کہ نہ جانا کچھ بھی	ہی صفر کہ افزایش اعداد کرے

غزلیات

اگر مجموعی حالت پر لحاظ کیا جائے تو بلاشبہ غالب کی غزلیات بمقابلہ غزلیات ذوق اعلیٰ ہیں لیکن اس قدر تفاوت ہرگز نہیں ہی جتنا کہ عموماً تصور کیا جاتا ہی۔ غالب کے کلام میں ترکیب فارسی منتخب مضامین اور پیچیدہ خیالات بھرے ہوئے ہیں۔ فلسفہ غالب کا حصہ ہی لیکن مشکل ترکیبوں کی وجہ سے اشعار عام فہم نہیں ہیں۔ دیر تک غور کیے بغیر اکثر اشعار سمجھ میں نہیں آتے لیکن جب سمجھ میں آگئے تو بلند پروازی خیال ظاہر کرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مشاعروں میں غالب کی غزلوں کو وہ مقبولیت نہ حاصل ہوسکی جو ذوق کو تھی یا مومن خاں کو ملی جو پھبتی حکیم آغا جان عیش نے غالب کے ادق کلام پر ایک مشاعرہ میں کہی تھی وہ غیر موزوں نہ تھی فرمایا تھا ؎

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے

کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

اکثر دوستوں نے بارہا کہا ہیں کہ کچھ آسان اشعار کہیں جس کا اشارہ غالب نے اس قطعہ میں کیا ہی

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنوران کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

لیکن غالب پر فارسیت و فلسفہ کا اتنا اثر تھا کہ اپنے طرز کے شعر کہنے پر مجبور رہتے۔ کلام میں آمد تھی نہ کہ آورد اس لیے اپنے طرز کو بدل دینا اُن کی فطرت کے خلاف تھا اور امکان سے باہر اس امر کا غالب نے خود اعتراف کیا ہی

نہ ستایش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

برخلاف اس کے ذوق کی زبان روزمرہ کے محاوروں سے مملو ہی۔ الفاظ فارسی و عربی کا استعمال کثیر ہی لیکن ترکیب فارسی مقابلتہً کم ہی۔ زیادہ تر اشعار بذات خود مکمل ہیں۔ کوئی لفظ محذوف نہیں ہی۔ جو الفاظ شعر میں ہیں وہ اُس شعر کے پورے مضمون کو ادا کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ذوق کی غزل کو نثر میں تبدیل کرنا نہایت آسان ہی۔ زیادہ الفاظ بڑھانے کی ضرورت نہوگی لیکن غالب کے اشعار میں تصور کو زیادہ دخل ہی۔ الفاظ خیالات کی طرف توجہ دلاتے ہیں جب خیالات ذہن میں پیدا ہوگئے تو پڑھنے والا اُن الفاظ کو بھول جاتا ہی لیکن حقیقت میں اُن خیالات کو ادا کرنے کے لیے کافی الفاظ اشعار میں موجود نہیں ہیں صرف بلند خیالی کا لطف اس کمی کو نظرانداز کردیتا ہی۔ اس کا پتہ اُس وقت چلتا ہی جب یہ کوشش کیجائے کہ غالب کی ایک غزل کو نثر میں تبدیل کریں۔ اُس وقت معلوم ہوتا ہی کہ مزید الفاظ بڑھانے کی کس قدر ضرورت ہی۔

اوپر ذکر آچکا ہی کہ علاوہ برتری کلام ایک سبب زیادہ مقبولیت کا یہ بھی تھا کہ غالب کا منتخب کلام شایع ہوا۔ جو اشعار دیوان میں شایع کیے گئے وہ چیدہ تھے ایک یہ وجہ بھی ہوئی کہ غالب نے بحر و قافیہ و ردیف کے انتخاب میں کچھ احتیاط کی۔ زیادہ تر بحریں ایسی رکھیں جو پڑھنے میں بھلی معلوم ہوں۔ اور گانے میں اچھی سخت زمین یا غیر معمولی ردیف و قافیہ سے غالب نے حتی الامکان پرہیز کیا مثلاً خ۔ ذ۔ س۔ ص۔ ط۔ ظ۔ ق۔ کی ردیفوں میں غالب کی کسی غزل کا پتہ نہیں چلتا۔ مگر ذوق نے سنگلاخ زمینوں اور مشکل ردیفوں میں ہمیشہ طبع آزمائی کی اور اپنی قادرالکلامی دکھلائی۔ بحر و قافیہ کے انتخاب میں احتیاط نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بلحاظ فن شاعری غزلیات غالب کی نازک خیالی مضمون بندی کو نہ پہنچ سکیں۔ غالب نے سخت زمین میں اپنے اعلیٰ پایہ کی غزل کہنے کی دشواری کو ضرور محسوس کیا ہوگا اور اسی وجہ سے معمولی اشعار کہنے کی بجائے دیوان میں اکثر ردیفوں کو متروک کرنا پسند کیا۔ اور ذیل کے طنزآمیز شعر کی پروانہ کی سہ

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہی مطلع و مقطع غائب　　غالبؔ آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

بہتر طریقہ موازنہ کا یہ ہو کہ ایک ہی طرح کی غزلیں ساتھ ساتھ پڑھی جائیں اور پھر ذوق کی پختگی کلام صحتِ زبان سلاستِ بیان اور فصاحت کا مقابلہ غالب کی مضمون بندی، نازک ترائی، نازک خیالی اور بلاغت سے کیا جائے۔ ہر طرح کی غزلوں کا مقابلہ کرنا ایک طویل امر ہوگا۔ صرف ایک طرح کے اشعار ایک دوسرے کے مقابل تحریر کیے جاتے ہیں۔ اور نتیجہ صرف پڑھنے والے کی رائے پر چھوڑی جاتی ہو۔ ہر شخص اشعار پڑھ کر اپنے لیے آپ فیصلہ کرے۔ تلاش سے ایک طرح کے جتنے اشعار دونوں اُستادوں کے دیوانوں میں مل سکے وہ سب درج کیے گئے ہیں جس اُستاد کی غزل میں اشعار کم ہیں وہ کل نقل کردیئے ہیں اور اسی تعداد کے اشعار دوسرے اُستاد کی غزل سے منتخب کرلیے گئے ہیں۔ مقابلتہً ملاحظہ ہوں۔

(۱) ذوق کے دیوان کی پہلی غزل حمد میں ہو اور اُسی طرح میں دوسری غزل شاعرانہ تعلی میں ہو۔ دونوں غزلوں میں ۴۲ اشعار ہیں جن میں سے اس انتخاب میں ۱۱ اشعار درج کیے گئے ہیں۔ اس طرح میں غالب کے ۸ اشعار ہیں جن میں سے صرف ۲-۱ اشعار مروجہ کلام میں ہیں۔ اس لیے ہر دو اُستاد کے دو دو اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

ذوقؔ ہوا احمد خدا میں دل جو مصروفِ رقم میرا　　الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا

صراطِ عشق پر از بس کہ ہو ثابت قدم میرا　　دمِ شمشیرِ قاتل پر بھی خوں جاتا ہو جم میرا

غالبؔ نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا　　حباب موجۂ رفتار ہو نقشِ قدم میرا

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہو　　کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہو دم میرا

(۲) ذوق کے ۱۰ اشعار میں سے ۸ اشعار انتخاب میں درج ہیں جن میں سے دو اشعار نقل کیے جاتے ہیں کیونکہ غالب کے گیارہ اشعار میں سے صرف دو اشعار مروج ہیں جو درج ہیں۔

ذوقؔ جل اُٹھا شمع نمط تارِ رگِ جاں میرا　　آہ روشن نہوا کلبۂ احزاں میرا

ذوق۔ دھیان میں آئینہ رُخ کے گئی جان نکل — رہ گیا ہائے کھلا دیدۂ حیراں میرا

غالب۔ سرمۂ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے — کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم — تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

(۳) غالب کے بارہ اشعار مروجہ دیوان میں ہیں لیکن اس طرح میں ذوق کا صرف ایک شعر دستیاب ہوا ہے۔

ذوق۔ لگا ہے تیر دل پر آہ کس کافر کی مژگاں کا — نشاں سوفار کا معلوم ہوتا ہے نہ پیکاں کا

غالب۔ خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں — چراغ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

(۴) غالب کے دیوان کی مشہور پہلی غزل میں دس اشعار تھے جن میں سے ۵ مروج ہیں۔ افسوس ہے کہ اس طرح میں ذوق کے صرف ایک شعر کا پتہ چلتا ہے۔

ذوق۔ دل کہاں جس پہ گماں ہو غنچۂ تصویر کا — ہو کوئی سینہ میں خوں آلودہ پیکاں تیر کا

غالب۔ جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے — سینۂ شمشیر سے باہر ہے دمِ شمشیر کا

(۵) دونوں استادوں کے صرف ایک ایک ہی شعر کا پتہ چلتا ہے۔

ذوق۔ بیمارِ عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج — کہہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

غالب۔ لو ہم مریضِ عشق کے تیماردار ہیں — اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

(۶) غالب کے صرف چار اشعار ہیں اور چاروں مروج ہیں۔ ذوق کے ۳۳ اشعار میں سے دس اشعار انتخاب میں درج ہیں۔

ذوق۔ ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہیں — وہ پہلے بزم میں دیکھیں کدھر کو دیکھتے ہیں

ہے ان کی چشم کی گردش پہ گردشِ عالم — جدھر ہو ان کی نظر سب اُدھر کو دیکھتے ہیں

عرق کے قطرے نہیں دیکھتے ہیں اُس رُخ پر — ستارے دھوپ میں ہم دوپہر کو دیکھتے ہیں

جہاں کے آئینہ سے دل کا آئنہ ہے جدا — اس آئینہ میں ہم آئنہ گر کو دیکھتے ہیں

غالب۔ یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں — کبھی صبا کو، کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

وہ آئیں گھر میں ہمارے۔ خدا کی قدرت ہے | کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں۔ اس کے دست و بازو کو | یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں
ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں | ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

(۷) ذوق کے صرف تین اشعار موجود ہیں۔ غالب کی دو غزلوں میں ۱۴ اشعار ہیں جو کل مروج ہیں۔

ذوق۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں | واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں
خط دیکھ کر وہ آئے بہت پیچ و تاب میں | کیا جانے لکھ دیا انھیں کیا اضطراب میں
بے بادہ غور گی میں ہوا ذوق جوں موبز | کی توبہ بے وقوف نے ناحق شباب میں

غالب۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں | میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی | پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں
اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے | حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

(۸) غالب کے آٹھ اشعار میں سے صرف دو شعر رائج ہیں۔ ذوق کا صرف ایک شعر ملتا ہے۔

ذوق۔

مرے نالوں سے چپ ہیں مرغِ خوش الحان زمانے میں | صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں

غالب۔

دلِ نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالب | نہ کر سرگرم اس کافر کو اُلفت آزمانے میں

(۹) غالب کے تیرہ اشعار میں سے نو اشعار مشہور ہیں۔ ذوق کے صرف ایک شعر کا پتا ہے۔

ذوق

اسیری عشق کو منظور تھی میرے لڑکپن میں
بہانہ کرکے منت کا پہنایا طوق گردن میں

غالب۔

اسد زندانیِ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

(۱۰) غالب کے بارہ اشعار کل مروجہ ہیں۔ ذوق کے صرف تین اشعار معلوم ہیں۔

ذوق۔

ہوا یاں تنگ اس لاغری پر ہے تجھے جامۂ تن کو
عجب کیا ہے جو سمجھے طوقِ گردن چشمِ سوزن کو

زیادہ ہوتا ہے پیری میں شرِ نفسِ امّارہ
یہ بالوں کی سفیدی شیر ہے اس مارِ رہزن کو

کمندِ نام و شہرت کھینچ لاتی ہے عدم سے بھی
لپٹ کر مثلِ طوقِ فاختہ عنقا کی گردن کو

غالب۔

قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

نہیں گر ہمدمی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے
نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھ کو
جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

(۱۱) ذوق کے بیس اشعار میں سے آٹھ اشعار انتخاب میں درج ہیں۔ جن میں سے پانچ اعلیٰ کہے جاتے ہیں۔ غالب کے صرف پانچ اشعار ہیں جو زبان زدِ عام ہیں۔

ذوق۔

الٰہی چشم کے چشمے کو اتنا آب تو دے
کہ سر پہ چرخ بھی دکھلائی جوں حباب تو دے

کھلے ہے تازے گلشن میں غنچۂ نرگس
ذرا دکھا اسے تو چشمِ نیم خواب تو دے

درِ قبول ہے دربان نہ بند کر درِ یار
دعائے خیر ذرا ہونے مستجاب تو دے

صبا بگولہ بنے کشتگانِ زلف کی خاک
کہ بعد مرگ بھی معلوم پیچ و تاب تو دے

زبانِ خنجرِ قاتل نے کیا کہا تجھ سے
دلِ شہید تو چپ کیوں ہے کچھ جواب تو دے

غالب۔

وہ آ کے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے — ولے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے
کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا — تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے
دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو — نہ دے جو بوسہ۔ تو منہ سے کہیں جواب تو دے
پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے — پیالہ گر نہیں دیتا۔ نہ دے شراب تو دے
اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے — کہا جو اس نے۔ ذرا میرے پاؤں داب تو دے

(۱۲) غالب کے دس اشعار ہیں اور کل مروجہ ہیں۔ ذوق کے صرف سات اشعار ہیں۔

ذوق۔

سر بوقتِ ذبح اپنا اس کے زیرِ پائے ہے — یہ نصیب۔ اللہ اکبر۔ لوٹنے کی جائے ہے
خصلتِ زندانِ جنوں زنجیر کھڑکائے ہے — مژدۂ خارِ دشت۔ پھر تلوا مرا کھجلائے ہے
واہ وا شورِ محبت سب ہی چھڑکا نمک — استخوان [illegible] کس مزے سے کھائے ہے
دم کی ہے سینہ میں آمد ضعف سے پہ گفتگو — دیکھیے لب تک خدا کس طرح سے پہنچائے ہے
بن کے ہم سوزِ دروں پھر جا بنگلے دل و جگر — رحم جوشِ گریہ چھاتی پھر ابھی بھر آئے ہے
بل بے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گئے — اف رے بیتابی۔ کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہے
نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار — جانبِ در دیکھ لے ہے جبکہ ہوش آ جائے ہے

غالب

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے — میں اسے دیکھوں؟ بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے — آبگینہ۔ تندیِ صہبا سے پگھلا جائے ہے
غیر کو یا رب۔ وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے — گر حیا بھی اس کو آتی ہے۔ تو شرما جائے ہے
شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے — دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
گرچہ ہے طرزِ تغافل۔ پردہ دارِ رازِ عشق — پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں۔ کہ وہ پا جائے ہے

اس کی بزم آرائیاں سن کر۔ دلِ رنجور یاں — مثلِ نقشِ مدعائے غیر۔ بیٹھا جائے ہے
سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسد — پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھیرا جائے ہے

(۱۴۲) غالب کے چودہ اشعار ہیں اور کل مروجہ ہیں۔ ان میں سے پانچ اشعار تجمل حسین خاں کی مدح میں ہیں جو نقل نہیں کیے جاتے ہیں۔ ذوق کے اس طرح میں ۱۹ اشعار ہیں جن میں سے ۱۰ اشعار انتخاب میں درج ہیں۔

ذوق۔

ثبات کب ہے زمانہ کے عز و شاں کے لیے — کہ ساتھ اوج کے پستی ہے آسماں کے لیے
جو سنگِ کعبہ کے بوسے میں حج جبہ ہے شیخ — تو بوسے ہم نے بھی اس سنگِ آستاں کے لیے
نگاہِ ناز نے کی دیر و رنہ میں تیار — ہوں کتنے تیر ہوا مرگِ ناگہاں کے لیے
الٰہی کان میں ہے کیا صنم نے پھونک دیا — کہ ہاتھ رکھتے ہیں کانوں پہ سب اذاں کے لیے
امید ہو گئی ہمسایہ ورنہ خانۂ یاس — بہشت تھا ہی نہیں رام جاوداں کے لیے
چلیں ہیں پیر کو مدت میں خانقاہ سے ہم — شکستِ توبہ پئے ارمغاں مغاں کے لیے
وبالِ دوش ہے اس ناتواں کو سر لیکن — لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لیے
اشارہ چشم کا تیرے یکایک اے قاتل — ہوا بہانہ مری مرگِ ناگہاں کے لیے
بنایا ذوق جو انساں کو اس نے جزوِ ضعیف — تو اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کے لیے

غالب۔

نویدِ امن ہے بیدادِ دوست جان کے لیے — رہے نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے
بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے — رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خوں فشاں کے لیے
وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر — نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لیے
رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک — بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لیے
فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں — درازدستیِ قاتل کے امتحاں کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر — کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے
گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے — اٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے
بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل — کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے
ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا — صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

(۱۴) غالب کے گیارہ اشعار میں سے صرف تین اشعار موجود ہیں۔ ذوق کے چار اشعار کا پتہ ہے تین تین اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

ذوق۔

مار کر تیر جو وہ دلبرِ جانی مانگے — کہہ دو ہم سے نہ کوئی دیکھ نشانی مانگے
خاک سے تشنۂ دیدار کے سبزہ جو اُگے — تو زباں اپنی نکالے ہوئے پانی مانگے
دل مرا بوسہ بہ پیغام نہیں ہے ہمدم — یار لیتا ہو تو لے اپنی زبانی مانگے

غالب۔

نقشِ نازِ بتِ طناز بہ آغوشِ رقیب — پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے
تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے — غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے
وہ تپِ عشق تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع — شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

ان اشعار کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں پڑھ کر آپ کس استاد کے کلام کو ترجیح دیتے ہیں؟

محمد سلیمان
الہ آباد۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الالف

۱

ہوا حمدِ خدا میں دل جو مصروفِ رقم میرا
الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا

ہے نامِ محمد لب پہ یا رب اول و آخر
الٹ جائے بوقتِ نزع جب سینہ میں دم میرا

محبتِ اہلِ بیتِ مصطفےٰ کی نورِ بر حق ہے
کہ روشن ہو گیا دل مثلِ قندیلِ حرم میرا

دکھائی مجھ کو راہِ شرعِ اصحابِ پیمبر نے
چراغِ راہ ہے اکرامِ اصحابِ کرم میرا

کہیں شاہِ نجف کے عشق میں دل میرا ڈوبا تھا
کہ ہے دُرِّ نجف ہو کر چمکتا دُرِّ یم تیرا

رہے گا دانہ افشاں مزرعِ امیدِ بخشش میں
غمِ آلِ نبی سے دانۂ ہر اشکِ نم میرا

شہِ بغداد کا خطِ غلامی طوق رکھتا ہوں
نہ کیوں دل اس خطِ بغداد سے ہو جامِ جم میرا

۲

ہوا یہ سینہ یکسر خار زارِ دشتِ غم میرا
کہ آیا پا بخوں آغشتہ ہو کر لب پہ دم میرا

صراطِ عشق پر از بسکہ ہے ثابت قدم میرا
دمِ شمشیرِ قاتل پر بھی خوں جاتا ہے جم میرا

وہ ہوں میں آتشیں گل تازہ نخلِ شمعِ الفت کا
نہیں ہے کوئی گلچیں غیر مقراضِ ستم میرا

رواں ریگِ رواں ہے جائے آبِ اشکِ مژگاں سے
کدورت بار ہے دیکھو سحابِ رنج و غم میرا

وہ ہوں میں آہوئے وحشی رمیدہ دامِ ہستی سے
کہ ہے ایک کوچہ رم جادۂ دشتِ عدم میرا

کہوں میں سو دہن سے حرفِ قطعِ آرزوئے دل
لبِ ہر زخم پر ہے جوں لبِ شمشیر دم میرا

نہ ہوئے وقرِ ترکِ سجدۂ ابلیس سے آدم
عدو کی سرکشی سے رتبہ کب ہوتا ہے کم میرا

مری صورت کے معنی ہیں نفخت فیہ من روحی
حدوث بے ثبات اثبات کرتا ہے قدم میرا

وہ ہوں میں رہ نوردِ شوق میرے ساتھ جاتا ہے
برنگِ سایۂ مرغ ہوا نقشِ قدم میرا

تخیل نے مرے باندھا طلسم تازہ کیفیت
نہ کیوں ہو کاسۂ سر ذوق شانِ جامِ جم میرا

۳

شوق نظارہ ہے جب سے اس رخ پر نور کا ؎۱
ہے مرا مرغ نظر پروانہ شمع طور کا

گر لکھوں مضمون اپنے نالۂ پرشور کا
لوں صریرِ خامہ سے میں کام بانگِ صور کا

نزع میں بھی دھیان تھا اس نرگس مخمور کا
مجھ کو شربت میں مزا آیا مئے انگور کا

واں ظلمت میں اپنی دخل کب ہے نور کا
مہر اک شعلہ سا ہے سو بھی چراغ دور کا

دل کا یہ احوال ہے غم سے ترے اے مست ناز
جیسے مرجھایا ہوا دانا کوئی انگور کا

تفتہ دل وہ ہوں کہ آکر داغِ سوزاں پہ مرے
اڑ گیا مرہم کے پھاہے سے اثر کافور کا

حق تو یوں ہے یہ انانیت عجب غماز ہے
قصہ پہونچایا زبانِ دار پر منصور کا

زخم میرا ہے وہ ایذا دوست خوں رونے لگے
منہ سے گر جراح کے سن پائے نام انگور کا

جھانکتے تھے وہ ہمیں جس روزنِ دیوار سے
وائے قسمت ہو گئی روزن میں گھر زنبور کا

دفن ہے جس جا پہ کشتہ سرد مہری کا تری
بیشتر ہوتا ہے پیدا واں شجر کافور کا

عشق نے ڈالی تھی جب قصرِ محبت کی بنا
لکھ دیا تھا کوہ کن بھی نام اک مزدور کا

بل بے وحشت اب تلک بھی شاخِ آہو کی طرح
پیچ کھاتا ہے دھواں میری چراغِ گور کا

دیکھنا زہر آبِ پیکانِ محبت کا اثر
چشم افعی بن گیا روزن ہر اک ناسور کا

؎۱ یہ غزل اس زمانہ میں کہی گئی تھی جب شاہ نصیر مرحوم نے ذوق کے کلام کو پختگی کے درجہ پر پہنچا ہوا دیکھ کر ان کی غزلوں میں اصلاح دینا بند کر دی تھی اس طرح میں استاد ناسخ کی غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے؎

کیا اثر میری سیہ بختی کے آگے نور کا ٭ ماہ ہے اک خال رخسارہ شبِ دیجور کا

جب یہ غزل نئی نئی دلی میں پہنچی تو شاہ نصیر نے ذوق سے فرمائش کی کہ وہ بھی اس طرح میں کہیں چنانچہ انہوں نے یہ غزل لکھکر پیش کی ۱۲

ذوق راہِ عشق وہ کوچہ ہی جس کی خاک میں
ہی درِ تاجِ سلیماں بیضۂ مور کا

۴

لکھیے اُسے خط میں کہ ستم اُٹھ نہیں سکتا — پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اُٹھ نہیں سکتا
بیمار ترا صورتِ تصویر نہالی — کیا اُٹھے سرِ بسترِ غم اُٹھ نہیں سکتا
آتی ہی صدائے جرسِ ناقۂ لیلےٰ — پر حیف کہ مجنوں کا قدم اُٹھ نہیں سکتا
جوں دانۂ روئیدہ تہِ خاک ہمارا — سر زیرِ گراں بارِ الم اُٹھ نہیں سکتا
ہر داغِ معاصی مرا اُس دامنِ تر سے — جوں حرف سرِ کاغذِ نم اُٹھ نہیں سکتا
اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں — سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا
کیوں اتنا گراں بار ہی جو زادِ سفر بھی — ای راہ رو ملکِ عدم اُٹھ نہیں سکتا

دُنیا کا زر و مال کیا جمع تو کیا ذوق
کچھ فائدہ بے دستِ کرم اُٹھ نہیں سکتا

۵

نہ بجھے اشک کے دریا سے مری سوزشِ دل — گرچہ دے شعلۂ جوّالہ کو گرداب بنا
دلِ بیتاب کو ہم سینہ میں ٹھیرا نہ سکے — شعلہ خور دیکھتے ہی تجھ کو وہ سیماب بنا
پوچھیں گر مجھ سے مئے عشق ہوئی کب سے ہی تلخ — کہوں جس دن سے فلک کاسۂ زہراب بنا
چشمِ مخمور کا ہوں کس کی میں کشتہ یارب — کہ مری خاک سے بھی جامِ مئے ناب بنا
سرمۂ چشمِ عزیزاں نہ بنا میں ای چرخ — کیا بنا خاک غبارِ دلِ احباب بنا
آیتِ سجدہ ہی حق میں مرے ہر جوہرِ تیغ — ہی خمِ تیغ فقط کیا خمِ محراب بنا
اپنے جلسوں میں جلاتے ہیں مجھے ہر حبیب — میں ہوں اک شمع سرِ محفلِ احباب بنا
تو اگر آپ کو دیکھے تو مری آنکھ سے دیکھ — اپنا آئینہ مرا دیدۂ پُرآب بنا

جب کیا عشق کے دریائے تلاطم ای ذوق
تو کہیں موج بنا اور کہیں گرداب بنا

٦ اُسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا — اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا
جس انساں کو سگِ دنیا نہ پایا — فرشتہ اُس کا ہم پایہ نہ پایا
مقدّر ہی یہ گر سود و زیاں سے — تو ہم نے یاں نہ کچھ کھویا نہ پایا
لحد میں بھی ترے مضطر نے آرام — خدا جانے کہ پایا یا نہ پایا
سراغ عمرِ رفتہ ہاتھ کیا آئے — کہیں جس کا نشانِ پا نہ پایا
رہِ گم گشتگی میں ہم نے اپنا — غبارِ راہ بھی عنقا نہ پایا
رہا ٹیڑھا مثالِ نیشِ کژدم — کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا
ترے مجنوں کی تربت پر جنوں نے — بگولے کے سوا سایہ نہ پایا
فلک کے گنبدِ بے در سے ہم تو — نکل جاتے مگر رستہ نہ پایا
چراغِ داغ لیکر دل میں ڈھونڈا — اثر پر صبر و طاقت کا نہ پایا
یہی ہر دم ہی زخمِ دل کو رونا — دہن پایا لبِ گویا نہ پایا
کبھی تو اور کبھی تیرا رہا غم — غرض خالی دلِ شیدا نہ پایا
وہ بولے دیکھ کر تصویرِ یوسف — سنا جیسا اُسے ویسا نہ پایا

نظیر اُس کا کہاں عالم میں ہے ذوق — کہیں ایسا نہ پائے گا نہ پایا

٧ یوں[ہ] تنِ خاکی میں دل روشن ہمارا ہو گیا — جس طرح پانی کوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا
میرے نالوں سے جو پانی سنگ خارا ہو گیا — کوہ کے چشموں کا ہر آنسو شرارا ہو گیا
دانت یوں چمکے ہنسی میں رات اُس مہ پارہ کے — میں نے جانا ماہِ تاباں پارہ پارہ ہو گیا

ہ یہ غزل سنہ ۱۲۶۰ھ میں اس زمانہ میں جبکہ حافظ علی شاہ اورنگ آبادی کے سنانے کے لیے جو نثار علی شاہ کے نام سے مشہور تھے اور جو دہلی کے تیس ہزاری باغ میں مقیم تھے کہی گئی تھی یہ تیس ہزاری باغ شاہی املاک میں داخل تھا وہیں زیب النسا بنت شاہجہاں کی قبر تھی اب نہ یہ باغ باقی ہے نہ مزار کا نشان ہے البتہ اُستاد ذوق کے دماغ سے نکلے ہوئے یہ جواہر ریزے ابتک یادگار رہیں۔

ہر حباب بحر کی کھل جائے گی تار اسی آنکھ — عکس افگن گر رخِ روشن تمہارا ہو گیا
ایک دم بھی ہم کو جینا ہجر میں تھا ناگوار — پر امیدِ وصل پر برسوں گوارا ہو گیا
ہے مقامِ زندگی زیرِ دمِ شمشیرِ مرگ — ہو گیا جس طرح کوئی دم گذارا ہو گیا
چشمِ مستِ یار میں آخر ہوئی سرخی عیاں — لو ہمارا خونِ پنہاں آشکارا ہو گیا

ذوق اس بحرِ فنا میں کشتیِ عمرِ رواں
جس جگہ پر جا لگی وہ ہی کنارا ہو گیا

۸ میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا — تم وقت پہ آ پہونچے نہیں ہو ہی چکا تھا
اب جان پہ آفت ہے جو آئے ہو دوبارہ — اک بار تو غارت دل و دیں ہو ہی چکا تھا
کیا ہوتا جو سمجھاتے لئے جا کے مرے دوست — دشمن کا سخن ذہن نشیں ہو ہی چکا تھا

جو کچھ کہ ہوا ہم سے وہ کس طرح نہ ہوتا
حکمِ ازلی ذوق یونہیں ہو ہی چکا تھا

۹ محفل میں شورِ قلقلِ مینائے مل ہوا — لا ساقیا پیالہ کہ توبہ کا قُل ہوا
دریائے غم سے میرے گذرنے کے واسطے — تیغِ خمیدہ یار کی لوہے کا پُل ہوا
پروانہ بھی تھا گرمِ تپش پر کھلا نہ راز — بلبل کی تان جو سلگی تھی کہ غُل ہوا
جن کی نظر چڑھا ترا رخسارِ آتشیں — اُن کا چراغِ گور نہ تا حشر گل ہوا
بندہ نوازیاں تو یہ دیکھو کہ آدمی — جزوِ ضعیف محرمِ اسرارِ کل ہوا

اُس بن رہا چمن میں بھی میں ذوق دلخراش
ناخن سے تیز تر مجھے ہر برگِ گل ہوا

۱۰ اس تپش کا ہے مزا دل ہی کو حاصل ہوتا — کاش میں عشق میں سر تا بقدم دل ہوتا
آسماں دردِ محبت کے جو قابل ہوتا — تو کسی سوختہ کا آبلۂ دل ہوتا
ذبح ہونے کا مزہ جانتا گر صیدِ حرم — آپ گردن پہ چھری پھیر کے بسمل ہوتا

گر سیہ بخت ہی ہونا تھا نصیبوں میں مرے — زلف ہوتا ترے رخسار پہ یا تل ہوتا
آتا کیوں مصر میں کنعاں سے نکل کر یوسف — جاذبۂ شوقِ زلیخا جو نہ کامل ہوتا
موت نے کر دیا ناچار وگرنہ انساں — ہے وہ خودبیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا
آپ آئینۂ ہستی میں ہے تو اپنا حریف — ورنہ یاں کون تھا جو تیرے مقابل ہوتا

ہوتی گر عقدہ کشائی نہ ید اللہ کے ہاتھ
ذوق حل کیونکہ مرا عقدۂ مشکل ہوتا

۱۱
جو رنگ رنج و ماتم کا یہاں نمود ہوتا — تو زمیں نہ زرد ہوتی نہ فلک کبود ہوتا
کسی رنج کش کو دیتا تو کچھ اس کو سود ہوتا — دلِ سخت کاش کافر حجر الیہود ہوتا
تری بزم میں تو جلنا کہ تجھے بھی بو پہنچتی — جو یہیں تھا دل کو جلنا تو بلا سے عود ہوتا
جو نہ ہو امید وا شد نہ ہو دل گرفتہ غنچہ — کہ قبولِ تنگ رہنا نہیں بے کشود ہوتا
لبِ نازک اس کا کیونکر کہو بارِ حرف اٹھائے — کہ جو صدمۂ تبسم سے بھی ہو کبود ہوتا
یہ حبابِ چشم روزن جو نہ سدِّ راہ ہوتی — تو پھر ایک عرصہ گاہ عدم و وجود ہوتا
جو حسد کسی کو تجھ پہ ہو تو ہے یہ تیری خوبی — کہ جو تو نہ خوب ہوتا تو وہ کیوں حسود ہوتا
تہِ خاک ہوتا ظاہر جو سلگنا اپنے دل کا — تو شرارِ سنگِ تربت میں بھی اپنے دود ہوتا
ترے در کی جبہ سائی اگر اشک اپنے کرتے — سرِ قطرہ قطرہ پر اک اثرِ سجود ہوتا

کوئی زہر نوش مجھ سا نہیں پہنچا ذوق ورنہ
شجرِ زقوم دوزخ میں بھی خشک دود ہوتا

۱۲
اجل آئی نہ شبِ ہجر میں اور تو نے فلک — بے اجل ہم کو تمنائے اجل میں مارا
آنکھ سے آنکھ ہی لڑتی ہے مجھے ڈر ہے دل کا — کہیں یہ جائے نہ اس جنگ جدل میں مارا
عشق کے ہاتھ سے نے قیس بچا نے فرہاد — اس کو گر دشت میں تو اس کو جبل میں مارا
کھینچکر عشق جفا پیشہ نے شمشیرِ جفا — پہلے اک ہاتھ مجھی پر تھا ازل میں مارا

کون سنتا ہے تری زلف میں دل کی فریاد / کہ مسلماں کو ہے کافر کے عمل میں مارا
عرس کی شب بھی مری گور پہ وہ پھول نہ لائے / پتھر اک گنبدِ تربت نے کنول میں مارا

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

۱۳

جینا ہمیں اصلا نظر اپنا نہیں آتا / گر آج بھی وہ رشکِ مسیحا نہیں آتا
مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا / پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا
کیا جانے اُسے وہم ہے کیا میری طرف سے / جو خواب میں بھی رات کو تنہا نہیں آتا
آیا ہے دم آنکھوں میں دمِ حسرتِ دیدار / پر لب پہ کبھی حرفِ تمنا نہیں آتا
کس دم نہیں گھٹتا مرا دم سینہ میں ہمدم / کس وقت مرا منہ کو کلیجہ نہیں آتا
ہم رونے پہ آ جائیں تو دریا ہی بہا دیں / شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا
ہستی سے زیادہ ہے کچھ آرام عدم میں / جو جاتا ہے یاں سے وہ دوبارہ نہیں آتا
غافل ہے بہارِ چمن عمر جوانی / پھر کر کبھی موسم یہ دوبارہ نہیں آتا
ساتھ اُن کے ہوں میں سایہ کی مانند ولیکن / اس پر بھی جدا ہوں کہ لپٹنا نہیں آتا
دُنیا ہے وہ صیاد کہ سب دام میں اس کے / آ جاتے ہیں لیکن کوئی دانا نہیں آتا
جو کوچۂ قاتل میں گیا پھر وہ نہ آیا / کیا جانے مزہ کیا ہے کہ جینا نہیں آتا

قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ
سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

۱۴

ساتھ آہ کے شب دل سے وہ پیکاں نکل آیا / تھا کام تو مشکل مگر آساں نکل آیا
تنگ آ کے جو دم تن سے نکل جائے تو جانو / زنداں سے کوئی قیدیِ زنداں نکل آیا
ہاتھ آئے نہ قسمت کے سوا گوہرِ مقصود / دریا سے تہی پنجۂ مرجاں نکل آیا
رات آہ تڑپ یوں سینہ سے اک شعلہ سا چمکا / میں سمجھا کہ یہ میرا دلِ سوزاں نکل آیا

ہے کوچۂ قاتل میں شہادت کا دفینہ — جب کھودا کنواں گنجِ شہیداں نکل آیا

دل رکھ کے کہیں ذوق کا ہم بھول گئے تھے
تھا گم وہ کہیں زن سے گریباں نکل آیا

۱۵ ہر اک سے ہے قول آشنائی کا جھوٹا — وہ کافر ہے ساری خدائی کا جھوٹا
نہ کیوں پھر ترے دانتوں سے جھوٹا ہو موتی — کہ دعوے کیا تھا صفائی کا جھوٹا
بنا تا ہے آئینِ الفت میں تجھکو — یہ شیوہ تری بے وفائی کا جھوٹا
ملے نعمتِ خلد ہووے جو پاؤں — ترے در پہ ٹکڑا گدائی کا جھوٹا
گئے طاقِ ابرو میں تھے حضرتِ دل — سو دعوے ہوا پارسائی کا جھوٹا

خدا جانے ہے ذوق جھوٹا کہ سچا
نہیں ہے وہ لے آشنائی کا جھوٹا

۱۶ مجنوں کی روح دشت میں مانند گرد باد — کرتی طواف تھی ترے مجنوں کے ڈھیر کا
دم آچکا لبوں پہ ہے آنکھوں میں انتظار — بے دید جلد آ کہ نہیں وقت دیر کا

زیبا ہے ذوق خرقۂ درویش مرد کو
برقع کبھی نہ پائے گا نامرد شیر کا

۱۷ دریائے اشک چشم سے جس آن بہ گیا — سن لیجیو کہ عرش کا ایوان بہ گیا
بل بے گدازِ عشق کہ خوں ہو کے دل کے ساتھ — سینہ سے تیرے تیر کا پیکان بہ گیا
زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں — کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہ گیا
ہے موجِ بحرِ عشق وہ طوفاں کہ الحفیظ — بیچارہ مشتِ خاک تھا انسان بہ گیا
یہ روئے پھوٹ پھوٹ کے پاؤں کے آبلے — نالہ سا ایک سوئے بیابان بہ گیا
کشتی سوارِ عمر ہیں بحرِ فنا میں ہم — جس دم بہا کے لے گیا طوفان بہ گیا
تھا ذوق پہلے دلی میں پنجاب کا سا حسن — پر اب[1] وہ پانی کہتے ہیں ملتان بہ گیا

[1] اب وہ پانی ملتان بہ گیا اردو محاورہ ہے اس کے معنی ہیں کہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔

۱۸
سرو عاشق ہو گیا اُس غیرتِ شمشاد کا
غل مچایا قمریوں نے ہی مبارکباد کا

ہی قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہی ان دنوں صیاد کا

کچھ گدازِ عشق میں ہوتا اثر تو دیکھتے
کوہ کے چشموں سے ہوتا خون واں فرہاد کا

سرو موجِ آب جو سے پاے در زنجیر ہے
دیکھ لو آزاد کو یہ حال ہے آزاد کا

یاد کرتا ہی مجھی کو پہلے وقتِ قتلِ عام
کیوں نہ میں کشتہ ہوں اے قاتل تری اس یاد کا

میں ہوں چکر میں لگی جس دن سے دُنیا کی ہوا
حال میرا ہی بعینہ آسیائے باد کا

مرتے کشتہ کا دیکھیگا نہ ہرگز روئے خاک
لے اُڑے گا شوقِ پابوسی اسے جلاد کا

سلسلہ میں لفظ و معنی کے نہ آیا دل کبھی
ابجدِ عالم میں گویا تھا الف آزاد کا

ذوق حیراں ہی بہت فکرِ کشادِ کار میں
یا الٰہی عقدہ کشا ہو وقت [illegible] کا

۱۹
مرے سینہ سے تیرا تیر جب اے جنگجو نکلا
دہانِ زخم سے خوں ہو کے حرفِ آرزو نکلا

مرا گھر تیرا منزل گاہ ہو ایسے کہاں طالع
خدا جانے کدھر کا چاند آج اے ماہ رو نکلا

مے عشرت کا تھا خمی نہ افلاک پر دھوکا
کہ تھا لبریزِ غم اس غم کدہ سے جو سبو نکلا

ترے آتے ہی آنے کا دم آخر ہو گیا میرا
رہی حسرت کہ دم میرا نہ تیرے روبرو نکلا

کہیں تجھکو نہ پایا گرچہ ہم نے اک جہاں ڈھونڈا
پھر آخر دل ہی میں دیکھا بغل ہی میں سے تو نکلا

گھسے سب ناخنِ تدبیر اور ٹوٹی سرِ سوزن
مگر تھا دل میں جو کانٹا نہ وہ ہرگز کبھو نکلا

اُسے عیار پایا یار سمجھے ذوق ہم جس کو
جسے یاں دوست اپنا ہم نے جانا وہ عدو نکلا

۲۰
لیلی سے شوقِ وصل میں مجنوں کو دیکھنا
کیا کیا ہے راہ ناقۂ محمل میں لوٹتا

بے آبِ تیغ ماہیِ بے آب کی طرح
اے ذوق دل ہے سینۂ بسمل میں لوٹتا

۲۱ عالم ہی زندگی میں زمانہ شباب کا — گلشن میں رنگ رنگ ہی پھول آفتاب کا
جلوہ ہو کیونکہ خاک پہ تابِ عتاب کا — جلتا نہیں ہی برق سے دامن سحاب کا
صفحہ... دل ہی نسخہ عشق ہو گیا — اور ہر ورق پہ نقش ہی حلقہ آفتاب کا
ہی دل جلوں کے واسطے یہ نامہ تو خوب — اُڑنا مگر محال ہی مرغِ کباب کا
ٹپکے اگر عرق گلِ رخسار سے ترے — دریا میں ہر حباب ہو شیشہ گلاب کا

ہوتا ہی دل جلوں سے کہیں ذوق ضبطِ آہ
موجِ دخاں سے ضبط ہو پیچ و تاب کا

۲۲ نالہ جب دل سے چلا سینہ میں پھوڑا اٹھا — چلتی گاڑی میں دیا عشق نے روڑا اٹکا
جلد آ وعدہ دیدار پہ ای وعدہ خلاف — کب تلک اُٹکا رہے دم آنکھوں میں تھوڑا اٹکا
توسنِ عمر رواں ہر نفس اُڑتا ہی ہا — کبھی میدانِ فنا میں نہ یہ گھوڑا اٹکا

۲۳ ہٹے ہیں اور سایہ ترے کوچہ کی دیواروں کا — کام جنت میں ہی کیا ہم سے گنہگاروں کا
اتنا تو شور و فغاں ہو کہ چمن میں بلبل — خرمنِ گل کی جگہ ڈھیر ہوا انگاروں کا
چرخ پر بیٹھ رہے جان بچا کر عیسےٰ — ہو سکا جب نہ مداوا ترے بیماروں کا
ہوں رگیں حلق بریدہ کی ہمارے خونبار — گر تماشا اُنھیں منظور ہو فواروں کا
ای ستمگر جو ترے تیر نہیں تشنہ خوں — تو کھلا رہتا ہی منہ کس لیئے سوفاروں کا
کیوں نہ ہر تار میں دل ہوویں گرفتار کہ زلف — جیلخانہ ہے محبت کے گرفتاروں کا
دینگے جاں بوسہ لعلِ نمکیں پر ہم بھی — جاں نثاری ہی اگر شیوہ نمکخواروں کا

بے سیاہی نہ چلا کام قلم کا ای ذوق
روسیاہی سر و ساماں ہی سیہ کاروں کا

سلہ یہ غزل اور اس کے بعد کی دو غزلیں بھی بکلم ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۶ء کی ہیں یہ تینوں غزلیں نواب زادی باغ کی صحبتوں کی یادگار ہیں ملاحظہ ہو نوٹ غزل

نالہ اس شور سے کیوں میرا دہائی دیتا	۲۴	ای فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا
دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا		آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا
دے دعا وادیِ پر خارِ جنوں کو ہر گام		داد یہ تیری ہے اے آبلہ پائی دیتا
لاکھ دیتا فلک آزار گوارا تھے مگر		ایک تیرا نہ مجھے دردِ جدائی دیتا
روشِ اشک گرا دینگے نظر سے اک دن		ہے ان آنکھوں سے یہی مجھ کو دکھائی دیتا
میں وہ ہوں صید کہ پھر دام میں پھنستا جاکر		گر قفس سے مجھے صیاد رہائی دیتا
کون گھر آینہ کے آتا اگر وہ دل میں		خاکساری سے نہ جاروبِ صفائی دیتا
ساغرِ مے بھی ترے کشتۂ انداز کو یار		بوسۂ لب نہیں بے چشم نمائی دیتا
منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے		گر انھیں آکے خدا ساری خدائی دیتا

دیکھ گر دیکھتا ہو ذوق کہ وہ پردہ نشیں
دیدۂ روزنِ دل سے ہے دکھائی دیتا

جھوٹ ہی جانو کلام اُس رہزنِ ایمان کا	۲۵	پہن کر جامہ بھی وہ آئے اگر قرآن کا
جو دلِ پُر آرزو سے نکلا نالہ عشق میں		ایک پتلا تھا سراپا حسرت و ارمان کا
بن گیا جوشِ محبت سے ہلاکے سینہ میں		ماہیِ دریائے خوں جوہر ترے پیکان کا
جو فرشتے کرتے ہیں کر سکتا ہے انسان بھی		پر فرشتوں سے نہ ہو جو کام ہے انسان کا
یہ تپِ غم کی ہے شدت اس ترے بیمار کو		یوم راحت بھی ہے حق میں اس کے دن بحران کا
اے اجل تکلیف مت کر گیا کرے گی آن کر		ہو چکا پہلے ہی کشتہ میں کسی کی آن کا
ہو سکے آلودہ دامن پاکدامن کس طرح		لے زلیخا چھوڑ دامن یوسفِ کنعان کا

دیکھنا اے ذوق ہونگے آج پھر لاکھوں کے خون
وہ جماتا ہے لبِ لعلیں پہ لاکھا پان کا

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا	۲۶	جو آپ ہی مر رہا ہو اُس کو گر مارا تو کیا مارا

نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

نہیں وہ قول کا سچا ہمیشہ قول دے دیکر
جو اس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا

ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ اے بے خبر مارا تو کیا مارا

مرے آنسو ہمیشہ ہیں برنگ لعل غرق خوں
جو غوطہ آب میں تو نے گہر مارا تو کیا مارا

دل سنگین خسرو پر بھی ضرب اے کوہکن پہنچے
اگر تیشہ سر کہسار پر مارا تو کیا مارا

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

دل بدخواہ میں تھا مارنا یا چشم بدبیں میں
فلک پر ذوقؔ تیر آہ گر مارا تو کیا مارا

۲۰ بس وہ شہید ہوں لب خندان یار کا
ہنستا رہے چراغ بھی میرے مزار کا

ہنگامہ گرم ہستی ناپائدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

ہو راز دل نہ یار سے پوشیدہ یار کا
پردہ جو درمیاں نہ ہو دل کے غبار کا

آتا ہے گر تو آ کہ سینہ سے چل کے اب
آنکھوں میں آ کے ٹھیرا ہے دم انتظار کا

ہو پاکدامنوں کو خلشگر سے کیا خطر
کھٹکا نہیں نگاہ کو مژگاں کے خار کا

پہونچیگا تیرے پاس کبوتر سے پیشتر
مکتوب شوق اڑ کے ترے بیقرار کا

ہے دل کی داو گھات میں مژگاں سے چشم یار
کرتی ہے قصد ٹٹی کی اوجھل شکار کا

قاصد لکھوں لفافہ کو خط غبار سے
تا جانے وہ یہ خط ہے کسی خاکسار کا

اس روئے تابناک پہ ہر قطرۂ عرق
گویا کہ اک ستارہ ہے صبح بہار کا

اے ذوقؔ ہوش گر ہے تو دنیا سے دور بھاگ
اس میکدہ میں کام نہیں ہوشیار کا

کسی کے رخ پہ ہے جوگی جو چشم ہندو زاد ۲۰
تو اس کو گھیرے ہیں مژگان بال کے کیسا

نمودِ خال کی دیکھو تو زیرِ ابروئے یار
ستارہ نکلا ہے نیچے ہلال کے کیسا

ہماری نعش پہ ہنگامہ کیوں ہوا اے قاتل
اُٹھا ہے قصّہ یہ بعد انفصال کے کیسا

ہزار دم ہیں اُسے یاد تو نے دیکھا ذوق
گیا وہ غیر کے گھر تجھ کو ٹال کے کیسا

۲۹
نالہ کہتا ہے کہ تا چرخِ زحل جاؤں گا
بلکہ میں توڑ کے اس کو بھی نکل جاؤنگا

دل سے کہتا ہوں کہ تو ساتھ نہ لیجا مجھکو
جا کے میں واں ترے قابو سے نکل جاؤنگا

میکدہ میں بھی اگر جاؤنگا تو جائے کباب
شیشۂ بادہ لئے زیرِ بغل جاؤنگا

دل یہ کہتا ہے مجھے روزنِ سینہ سے نکال
ورنہ خوں ہو کے میں آنکھوں سے نکل جاؤنگا

سرد مہروں سے فلک ڈال نہ پالا کہ بن آگ
نخلِ سرمازدہ کی طرح سے جل جاؤنگا

آہ دے اشکِ صفت مجھ کو گرا کر نہ اٹھا
دل نہیں میں کہ سنبھالے سے سنبھل جاؤنگا

تھم ذرا یہ نہیں وہ میں جو بہل جاؤنگا
کچھ میں بچّہ تو نہیں ہوں کہ مچل جاؤنگا

قیس و فرہاد کو بتلاؤنگا کچھ عشق کی راہ
ایسے ہیں گر طرفِ دشت و جبل جاؤنگا

گر پڑا آگ میں پروانہ دمِ گرمیِ شوق
سمجھا اتنا بھی نہ کمبخت کہ جل جاؤنگا

کہتا پیراہنِ گل سے یہ نزاکت سے نسیم
ہاتھ مجھ کو نہ لگانا کہ مسل جاؤنگا

سنتے ہو! زاہد و ناصح جو ہیں سمجھانے مجھے
کیا بدل دیوینگے پیادہ میں بدل جاؤنگا

میں وہ مشتاقِ شہادت ہوں کہ سر دینے کو
پائے کوباں تہِ شمشیرِ اجل جاؤنگا

جنبشِ برگ صفت باغِ جہاں میں اے ذوق
کچھ نہ ہاتھ آئے گا تو ہاتھ تو مل جاؤنگا

۳۰
اس سے تو اور آگ وہ بیدرد ہو گیا
اب آہِ آتشیں سے بھی دل سرد ہو گیا

سینہ میں بوالہوس کے بھی تھا آبلہ مگر
نشتر کا نام سنتے ہی منہ زرد ہو گیا

مجنوں بھی دشت گرد تھا مانندِ گردباد
جب خاک اُڑائی ہم نے تو وہ گرد ہو گیا

اس صید تیر خوردہ کو تو نے کیا نہ ذبح
آخر تڑپ تڑپ کے یوہیں سرد ہو گیا

پیرِ مغاں کے پاس وہ دارو ہے جس سے ذوق
نامرد مرد، مرد جواں مرد ہو گیا

۳۱
کہتے تھے آفتابِ قیامت جسے سو وہ
نکلا چراغِ داغِ دل اپنا بجھا ہوا

چشمِ غضب سے نیم نگہ میرے واسطے
ایک تیر ہے زہر میں گویا بجھا ہوا

پھر دل میں آہِ سرد ہوئی میرے شعلہ ور
لو پھر بھڑک اٹھا یہ فتیلہ بجھا ہوا

جل کر اگر بجھا بھی دلِ سوختہ مرا
یوں جل اٹھے گا جیسے کہ کوئلا بجھا ہوا

ہم آپ جل بجھے مگر اس دل کی آگ کو
سینہ میں ہم نے ذوق نہ پایا بجھا ہوا

۳۲
جدا ہوں یار سے ہم اور نہ ہوں رقیب جدا[۵۱]
ہے اپنا اپنا مقدر جدا نصیب جدا

تری گلی سے نکلتے ہی اپنا دم نکلا
رہے ہے کیونکہ گلستاں سے عندلیب جدا

تمہارا دردِ جدائی نہ ہو جدا مجھ سے
کرونِ درد میں ہو حکمتِ طبیب جدا

ہجومِ اشک کے ہمراہ کیوں نہ ہو نالہ
کہ فوج سے نہیں رہتا کبھی نقیب جدا

فراقِ خلد سے گندم ہے سینہ چاک اب تک
الٰہی ہو نہ وطن سے کوئی غریب جدا

کیا حبیب کو مجھ سے جدا فلک نے مگر
نہ کر سکا مرے دل سے غمِ حبیب جدا

کریں جدائی کا کس کس کی رنج ہم اے ذوق
کہ ہونے والے ہیں ہم سب سے عنقریب جدا

۳۳
شکر پردے ہی میں اُس بت کو حیا نے رکھا[۵۲]
ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا

۵۱ یہ غزل سب سے آخری غزل ہے جو میاں نثار علی شاہ اورنگ آبادی کی صحبت میں لکھی گئی اور ان کو سنائی گئی انھوں نے اس غزل کو سنا خوش ہوئے اور چلے گئے پھر دلی نہ آئے استاد ذوق فرمایا کرتے تھے کہ کاش یہ غزل میں اُن کو نہ سناتا جس کی ردیف "جدا" تھی جو شاہ صاحب سے دائمی جدائی کا سبب ہوئی سنہ ۱۸۴۴ء کے قریب کا کلام ہے ۱۲

۵۲ یہ غزل سنہ ۱۲۶۰ھ مطابق سنہ ۱۸۴۴ء میں شاہ نثار علی شاہ کی فرمائش سے تیس ہزاری باغ میں کہی تھی ۱۲

تھا نہ پامالِ رہِ عشق کی تربت کا نشاں / بارے تعویذ تو نقشِ کفِ پا نے رکھا

تلخ کامی کا رہا بعدِ فنا بھی یہ اثر / استخواں کو مرے منہ پر نہ ہما نے رکھا

آشیاں باغ میں ڈھونڈا جو قفس سے جا کر / ایک تنکا بھی نہ تھا بادِ صبا نے رکھا

دل جو دیوانہ نہ تھا تیرا تو پھر کیوں اس کو / پابزنجیر تری زلفِ دوتا نے رکھا

آنکھیں دیدار طلب گور سے آئی ہیں نکل / دستۂ نرگس کا نہیں میرے سرہانے رکھا

ناتواں ہیں نہ تنِ زار مرا دیکھ سکا / خوب دھوکے میں اُسے تارِ قبا نے رکھا

نہ رکھی خوبی و زشتی سے غرض آئینہ وار / گھر میں مہمان جسے اہلِ صفا نے رکھا

شربتِ مرگ سے محروم نہ رہتا بھی خضر / لیک ناکام اُسے آبِ بقا نے رکھا

بے نشاں بیٹھے فنا سے ہو جو ہو بیٹھ لیا
ورنہ ہے کس کا نشاں ذوق فنا نے رکھا

۳۴

عشق کے ڈھب پہ نہ کوئی بجز انساں چڑھا / اس کے قابو پہ چڑھا تو یہی ناداں چڑھا

مصحفِ رخ پہ ترے رنگ سنہرا تیرا / واہ کیا خوب ہی سونا سرِ قرآں چڑھا

دیکھو قسمت کا لکھا اُس نے پڑھا خط سو بار / دھیان پر میرا نہ مطلب کسی عنواں چڑھا

سنگِ سرمہ میں سیہ تاب تھی وہ تیغِ نگاہ / گردشِ چشم سے پر دوہی غضب سان چڑھا

حضرتِ عشق کی درگاہ میں آ کر اے ذوق
دل و دیں دیتے ہیں سب گبر و مسلماں چڑھا

تیر چٹکی میں لیا اُس نے پئے جانِ عدو / رشک سے میرے دل میں کیا کیا چٹکیاں لینے لگا

نام میرا سن کے مجنوں کو جماہی آ گئی / بیدِ مجنوں دیکھ کر انگڑائیاں لینے لگا

مجھ کو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روزِ حشر / مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا

ہے جو غنچوں کا چٹکنا اُنگلیوں کی سی چٹک / یہ بلائیں کس کی باغ اے باغباں لینے لگا

جس نے کی اس میکدہ میں بیعتِ دستِ سبو / وہ قدم تیرے بس اے پیرِ مغاں لینے لگا

سے لے کے آئینہ جو دیکھی حسن کی اپنی بہار
اپنے بوسے آپ وہ غنچہ دہاں لینے لگا

موت اس کو یاد کرتی ہی خدا جانے کہ گور
یوں ترا بیمارِ غم جو ہچکیاں لینے لگا

رات کو اے ذوق اس کے نوکِ مژگاں کا خیال
تن پہ ہر موسے مرے کارِ سناں لینے لگا

۳۶
پہنچا آبِ تیغِ قاتل تا بسر اچھا ہوا
اے دلِ مجروح لے تو غسل کر اچھا ہوا

آ رہے گا دشت میں لیلےٰ تہے ناقے کے کام
ہو گیا مجنوں جو کانٹا سوکھ کر اچھا ہوا

بندھ گیا اُس مو کمر کا جبکہ مضمونِ کمر
ہو گئی مضمون میں دقتِ شعر پر اچھا ہوا

ہاتھ تو اوچھا پڑا تھا یار کی شمشیر کا
زخم پر قسمت سے میری کارگر اچھا ہوا

کھچ گیا میری طرف سے اور بھی دلبر کا دل
واہ وا جذبِ محبت کا اثر اچھا ہوا

قتل کرتا ہی ترا بسمل سے یہ کہتا کہ لو
اب تو دامن بھی ہوا لوہو سے تر اچھا ہوا

ہی بُرا تو ہی اگر آیا نظر تجھکو بُرا
تو ہی اچھا ہے تجھے معلوم گر اچھا ہوا

ذوق کے مرنے کی سُن کر پہلے تو کچھ رُک گئے
پھر کہا تو یہ کہا منہ پھیر کر "اچھا ہوا"

۳۷
عجب حیرت میں ہیں جب سے نظر وہ خالِ لب آیا
دہن اُس کا عدم ہی اور عدم میں نکتہ کب آیا

نوید اے تشنہ کامی بارے آبِ خنجرِ قاتل
گلو تک میرے اور زخمِ گلو کے تا بلب آیا

تأمل کیجیو ذوقِ طپیدن - دیکھیے کیا ہو
کہ اب تک ذبح کرنے کا نہیں قاتل کو ڈھب آیا

نوشتہ سے ہوا ایک حرف بھی ہرگز نہ بیش و کم
جو پیشانی میں تھا لکھا ہوا وہ پیش سب آیا

برنگِ غنچہ خونیں دل ہنسے کیا اس گلستاں میں
بھر آیا منہ میں خوں گر اک تبسم زیرِ لب آیا

وہ آئیں یا نہ آئیں ہیں نہیں رنجیدہ دل اُن سے
مگر یہ رنج ہے کیوں رنج اُن کو بے سبب آیا

ترے در سے نہ آیا پاس کوئی ہم جانوں کے
مگر رونا کبھی چوری سے بعد از نیم شب آیا

میں صدقے ذوق کے قرباں کہ ہستی میں محبت کی
بُلایا کس نے اس کو جب یہ آیا بے طلب آیا

مرے طالع میں ہی کیا کام اے گردوں ستارے کا
چمک جانا ہی کافی آتش دل کے شرارے کا

نفس ہے جادۂ عمر رواں جس طرح سے گزرے
یہاں پوچھے ہے اے گمراہ کیا رستہ گزارے کا

جسے کہتے ہیں بحر عشق اُس کے دو کنارے ہیں
ازل نام اس کنارے کا ابد نام اُس کنارے کا

ترا ہر موئے مژگاں دل کو انگشت اشارت ہے
سمجھنے والا مجھ سا چاہیے پر اس اشارے کا

ملے اکسیر گر اس کشتۂ خوں سے نہ لوں ہرگز
مرے مذہب میں کرنا ہی کشتہ کرنا پارے کا

نہ کھینچیں دامن الیاس گرداب بلا میں ہم
کہ بدتر ڈوب کر مرنے سے ہے جینا سہارے کا

سر راہ فنا میں ہوں مہیا ہے سفر لیکن
برنگ اشک مژگاں منتظر ہوں اک اشارے کا

کرم رحمت سے اُس کی بخشوائے اُن کو گر روئے
چھڑک کر ہم نے بیچا نفع پر سودا خسارے کا

فقط تار نفس کا ذوق خط جادہ کافی ہے
پئے عمر رواں کیا چاہیے رستہ گذارے کا

۳۹

نالہ ہو اُن سے بیاں درد جدائی کرتا
کام قاصد کا ہے یہ تیر ہوائی کرتا

خاک آئینے سے ہے نام سکندر روشن
روشنی دیکھتا گر دل کی صفائی کرتا

نہیں گوش شنوا باغ جہاں میں غافل
ورنہ ہر برگ ہے یاں نغمہ سرائی کرتا

سوز دل کون چھپائے کہ نہیں چشم میں اشک
پھر بھی خون جگر کار روائی کرتا

بند رہیے تو قفس ہے [illegible]
ہم جو بے بیں ہمیں شوق رہائی کرتا

ذوق اس لب سے نگاہ ہے جو وصف نگار
اشک خونیں سے ہے کیا غازہ کو حنائی کرتا

۴۰

[illegible] پھر ایسا دھواں ہوتا
کہ نیچے آسماں کے اک نیا اور آسماں ہوتا

ابھی [illegible] قفس جاں ہوتا
کوئی دم شمع مردہ میں ابھی ہے باقی دھواں ہوتا

عدو داری بھی ہے کس کی یہ چرخ ہاتھی جاتا
کہ جیب چاک کی صورت ہے خط کہکشاں ہوتا

نہ ہوتی دل میں گر کاوش کسی کی نوک مژگاں کی
تو کیوں حق میں مرے ہر موئے تن مثل سناں ہوتا

اگر جی بھول کر بھی لگتا ہے دہر میں رہتا
تو بھٹکے کہکشاں میں بھی فلک پہ خوں رواں ہوتا

بگولا گرد ہوتا وادیٔ وحشت میں اے مجنوں
تو گنبد ہم سے سرگشتوں کا تربت پہ کہاں ہوتا

ترے کوچے میں یکسر کی خاک پر ہوتا اگر سبزہ
تو مثل موج خنجر کا اس پہ بھی خوں رواں ہوتا

رگ کاوش دل کی قاتل کے جو قبضہ میں ظاہر تھی
کہ خنجر تھا مری گردن پہ پیک کی گرو واں ہوتا

ذرا کم اضطراب میں ہے تو اے ذوق اک گھڑی پہلے
کہ ٹوٹے کی طرح گھڑیال کے شوق آسماں ہوتا

٤١

آنکھیں مری تلووں سے وہ مل جائے تو اچھا
ہے حسرت پابوس نکل جائے تو اچھا

جو چشم کہ بے نم ہو وہ ہو کور تو بہتر
جو دل کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو اچھا

بیمار محبت نے لیا تیرے سنبھالا
لیکن وہ سنبھالے سے سنبھل جائے تو اچھا

ہو تجھ سے عیادت جو نہ بیمار کی اپنے
لینے کو خبر اس کی اجل جائے تو اچھا

اے گریہ نہ رکھ میرے تن خشک کو غرق آب
لکڑی کی طرح پانی میں گل جائے تو اچھا

تاثیر محبت تو عجب حب کا عمل ہے
لیکن یہ عمل یار پہ چل جائے تو اچھا

فرقت سے تری تار نفس سینہ میں میرے
کانٹا سا کھٹکتا ہے نکل جائے تو اچھا

ہاں کچھ تو ہو حاصل ثمر نخل محبت
یہ سینہ پھپھولوں سے ہی پھل جائے تو اچھا

ہے قطع رہ عشق میں اے ذوق ادب شرط
یاں شمع نمط سر ہی کے بل جائے تو اچھا

٤٢

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے تو پیئے لہو میرا

مجھے وہ پردہ نشیں سامنے کب آنے دے
جو ذکر آنے نہ دے اپنے روبرو میرا

نہ پہنچا گردن جاناں تلک اور ٹوٹ کے ہائے
پڑا گلے میں مرے دست آرزو میرا

مقام وجد میں آئیں ابھی ملائک عرش
جو میکدہ میں سنیں شور ہاے و ہو میرا

عجب نہیں ہے مری سوزش محبت سے
کہ تار شمع ہو ہر ایک تار مو میرا

بہ رنگِ آئینہ چشمِ پرآب سے میری
گرا نہ اشک کہ کیا پاس آبرو میرا

کروں میں کیا کہ گریبانِ صبح کی مانند
نہیں ہے چاکِ جگر قابلِ رفو میرا

نظر جو آتا ہے اب تک فلک کا رنگ سیاہ
پڑا تھا سایۂ بختِ سیہ کبھو میرا

۴۳
نہ ہوا آبِ شہادت سے گلو تر نہ ہوا
مستعد جب وہ ہوا ہائے تو خنجر نہ ہوا

جل کے ہیں خاک ہوا تو بھی ہے یہ دل مضطر
یہ وہ سیماب ہے کشتہ نہ ہوا پر نہ ہوا

بے چراغ اس کو نہ رکھ داغِ الٰہی اے عشق
خانۂ دل کوئی ویرانہ ہوا گھر نہ ہوا

کب صبا آئی ترے کوچے اے یار کہ میں
جوں حبابِ لبِ جو جامے سے باہر نہ ہوا

ق

خونِ رگہائے گلو لاشۂ بے سر سے مرے
آ کے کب جوش پہ فوّارۂ محشر نہ ہوا

عشق یہ معجزہ کیسا ہے کہ اس کشتہ کے
ہوئے سر حلق سے پیدا ہوئے کاٹ سر نہ ہوا

ذوق ہوا محبت ہی خدا خیر کرے
کہ یہ آزار ہوا جس کو وہ جاں بر نہ ہوا

۴۴
جان کے دل میں سدا جینے کا ارماں ہی رہا
دل کو بھی دیکھا کیے یہ بھی پریشاں ہی رہا

پستۂ قند ہی کامِ غیر میں وہ لعلِ لب
پر مرے حق میں تو سنگِ بدنداں ہی رہا

بندھ سکا ہم سے نہ مضمونِ دہانِ تنگ کا
ہاتھ اپنا فکر میں زیرِ زنخداں ہی رہا

جاہلِ منکر نہ آئے راہ پر معجز سے بھی
جہل سے بوجہل لیکن نامسلماں ہی رہا

کب لباسِ دنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر
جامۂ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

آہ تو دل اور پیکاں دونوں سینہ میں رہے
آخرش دل بہ گیا خوں ہو کے پیکاں ہی رہا

سب کو دیکھا اس سے اور اس کو نہ دیکھا جوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

آگے زلفیں ہی میں بستی تھیں اور اب آنکھیں تری
ملکِ دل اپنا ہمیشہ کافرستاں ہی رہا

دین و ایمان ڈھونڈتا ہو ذوق کیا اس وقت میں
اب نہ کچھ دیں ہی رہا باقی نہ ایماں ہی رہا

ترچھا جو یاد آیا برنگِ قہقہ مینا
اڑا دیں گے دھوئیں اک آن میں اس چرخ گرداں کے
بلا ہوں مضطرب میں بھی کہ مجھسے برق تڑپے کیا
تپیدہ ہو محبت کے لیے چارہ نہیں کچھ بھی

۴۵

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سمجھ کر موجِ دریا [illegible]
کفن مثلِ حباب ذوق [illegible]

بھڑکتا کیا کروں سینہ میں اپنے آتشِ غم کا
جہاں میں عرصہ عشرت سوا دو چند ہے غم کا
ترے عاشق کو ہی یوں خوشگوار آبِ دمِ خنجر
ترے رخسار کا پرتو پڑے گر عارضِ گل پر
اگر آتش مزاجوں کو حسد ہونا [illegible]
خط اس کا وصل کی دولت کا ہے پیغام [illegible]

۴۶

[illegible]
[illegible]
[illegible]
کرے چشمک نئی خورشید پر ہر قطرہ شبنم کا
تعجب کیا کہ ابلیس لعیں [illegible] آدم کا
لگا قسمت سے نسخہ ہاتھ [illegible] اسمِ اعظم کا

شہیدِ ذوق سینہ میں نہیں ہیں حسرتیں لاکھوں
مری جو آہ ہے گویا وہ ہے اک [illegible] ماتم کا

[1] گل اس نگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا
گر بعد فقر بھی سگِ دنیا ہوا فقیر
آخر کو فیضِ بیعتِ مست سبو سے آج

۴۷

یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا
کمبخت پاک ہو کے پلیدوں میں مل گیا
پیرِ مغاں کے ہیں ہم بھی مریدوں میں مل گیا

[1] یہ غزل غالباً ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۲) کی اُن صحبتوں کی یادگار ہے جو تیس ہزاری باغ میں رہا کرتی تھیں

دکھلائے کہکشاں سے فلک پا کی [illegible] رات ‏— اُس ماہ وش کے [illegible] دل میں [illegible] گیا

جب [illegible] ذوق وہ [illegible]
[illegible] دل میں [illegible] گیا

۴۸ وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا — پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا
کیا قہر ہے وقفہ ہے ابھی آنے میں اُن کے — اور دم مرا جانے میں توقف نہیں کرتا
[illegible] صاف کریں [illegible] صوفی — کچھ [illegible] تصوف نہیں کرتا
دل فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے — دنیا کے زر و مال پہ میں تُف نہیں کرتا
پڑھتا نہیں خط غیر مرا واں کسی عنواں — جب تک کہ وہ مضموں میں تصرف نہیں کرتا

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے ہے وہ جو تکلف نہیں کرتا

۴۹ ہر گام پر [illegible] نقشِ پا — [illegible] نقشِ پا
افتادگاں کو بے سروساماں نہ جانیو — دامانِ خاک ہوتا ہے روپوشِ نقشِ پا
اعجازِ پائے تیرے عجب کیا کہ راہ میں — بول اُٹھے منہ سے ہر لبِ خاموشِ نقشِ پا
قیس برہنہ پا کی [illegible] مجنوں سے دشت میں — ہر آبلہ [illegible] پوششِ نقشِ پا

پاؤں میں گر [illegible] رکھ اپنی تو خاک بھی
پہنچی نہ ذوق اُس کے آغوشِ نقشِ پا

۵۰ جل اُٹھا [illegible] رگِ جاں میرا — آہ روشن نہ ہوا کلبۂ احزاں میرا
ہنس کے دیکھا جو لبِ زخم تو بولا قاتل — آج تیرا ہے دہن اور نمکداں میرا

۱۔ غزل اسبق کا نوٹ ملاحظہ ہو ۱۲
۲۔ یہ غزل ذوق کی زندگی کے ایک تاریخی واقعہ کو یاد دلاتی ہے اسی غزل پر ان کا اُستاد شاہ نصیر سے قطع تعلق ہوا تھا ۱۲
۳۔ یہ غزل اور نمبر ۵۱ سے نمبر ۱۱ تک ردیف الف کی وہ غزلیں ہیں جو ابتدائی مشق کا نتیجہ ہیں ۱۲

کر کے بسمل مجھے کس ناز سے کہتا ہے وہ شوخ — دیکھ تر کیجو نہ خوں سے کہیں داماں میرا
دھیان میں آئینۂ رخ کے گئی جاں نکل — رہ گیا ہائے کھلا دیدۂ حیراں میرا
نظم معنی کا بکھر جائے ابھی حرف سے حرف — باندھیں گر اہل سخن حال پریشاں میرا
خندۂ جام کو مینا کے لبوں پر رکھدے — دیکھو پھر ہنستا ہے کیا کیا لب خنداں میرا

اپنا رونا تجھے ہنسنے سے مبارک ہے ذوق
دیکھ خنداں ہے جو وہ دیدۂ گریاں میرا

۵۱ رکھتے تھے جو کشور کسریٰ و قیصر زیر پا — ہے انہی کا آج سر با تاج و افسر زیر پا
اے جنوں! ہم پابرہنہ گرم پتھر زیر پا — دوپہر ہے سایہ بھی بیٹھا ہے چھپکر زیر پا
تم چلو رکھ کر جو میرا دیدۂ تر زیر پا — پل ہوں بحر اشک پر مژگاں سراسر زیر پا
ہے نماز کشتۂ قامت بجائے جانماز — اے قیامت لا بچھا دامان محشر زیر پا
زیر دستی پر بھی ہے موذی سے لازم احتراز — جب دبے گا سانپ کاٹے گا مقرر زیر پا
ہیں ترے مجنوں کے مژگاں وادی وحشت کے خار — راہ آنکھوں کے نکل آئے ہیں چھلکر زیر پا
میں ہوں وہ کشتی شکستہ بحر الفت میں صبا — ایک تختہ رہ گیا ہے جس کے بچکر زیر پا

فخر تن کو ذوق سب غارت کرے گا ایک دن
چونٹیوں کا پھر رہا ہے یہ جو لشکر زیر پا

۵۲ دشمن جاں یک بیک سارا زمانہ ہو گیا — ہائے تاثیر محبت یہ ستم کیا ہو گیا
جس کو اے ظالم تری مژگاں کا کھٹکا ہو گیا — سوکھ کر ایسا ہوا دبلا کہ کانٹا ہو گیا
ہم نے اُن سے دوستی کی وہ ہیں کرتے دشمنی — دیکھو کیا سوچا تھا ہم نے اور واں کیا ہو گیا
تم نے کل عزم سفر کا ہم کو تھا بھیجا پیام — لو سفر یاں آج دنیا سے ہمارا ہو گیا
مرنا جینا ایک جہاں کا ہے نگاہوں پر تری — جس نظر سے آنکھ بھر کر تو نے دیکھا ہو گیا
خط لکھا مجھ کو تو اُس میں نام بھی پورا نہ تھا — کیا کہوں قسمت کا لکھا آج پورا ہو گیا

کردیا تیغِ نگہ نے ایک عالم کا ہی خوں
نام بدنام ای صنم ناحق قضا کا ہو گیا

بادِ زلفِ عنبریں میں رات بہ آہیں بھریں
گنبدِ گردوں سیہ سارے کا سارا ہو گیا

ذوق نے ہو زلف کو چھیڑا تو لے مجھ سے قسم
تو نے خود چھیڑا اُسے اور برہم اتنا ہو گیا

۵۳

کوہ کے چشموں سے اشکوں کو نہ نکلتے دیکھا
ای صنم پر ترا پتھر نہ پگھلتے دیکھا

ضعف سے سینہ میں آتا ہی مرا دم جس طرح
ریگ کو شیشۂ ساعت میں نہ چلتے دیکھا

تھا ہیں اس باغ میں نخلِ گلِ آتشبازی
پھولتے دیکھا مگر آہ نہ پھلتے دیکھا

اُس رخ و زلف کے آگے نہ ہوا مہ کو فروغ
آگے کالے کے دیا کس نے ہی جلتے دیکھا

ای صبا جنبشِ مہرو کے سوا کس کو بھلا
موج چھل گو بہ غربیال پہ ہی چھنتے دیکھا

جو چڑھا اوجِ ثنا پر وہ گرا سایہ نمط
پاؤں اس کوٹھے پہ ہی سب کا پھسلتے دیکھا

کوی جاناں میں ہی دل جیسا گیا قابو سے
ہم نے بچے کو بھی ایسا نہ مچلتے دیکھا

زلف کہتی ہی درِ گوش سے دکھلا دے کوئی
گر سرِ بصنہ سے ناگن کو ہو ٹلتے دیکھا

کج ادائی گئی کب ہم سے ترے ابرو کی
شاخ آہو سے ہی خم کس نے نکلتے دیکھا

کوی جاناں سے ہم اور خلد سے آدم نکلے
اُن کو دیکھا نہیں پہ ہم کو نکلتے دیکھا

خانۂ دل کے سوا آتشِ غم سے ای ذوق
سامنے آنکھوں کے گھر کس نے ہی جلتے دیکھا

۵۴

بہ رنگِ گل صبا سے کب کھلا دلگیر دل میرا
اکہ ہی باغ جہاں میں غنچۂ تصویر دل میرا

ورق پر سینہ کے کھینچا ہی تارِ اشک سے مسطر
کرے گا شرحِ دردِ عشق کچھ تحریر دل میرا

سنبھالے رکھ ذرا ای آسماں دیکھ اپنے دامن کو
زمیں پر کھینچتا ہی نالۂ شبگیر دل میرا

تری چشمِ فسوں گر نے کہاں سیکھا تھا یہ جادو
کیا ہی اک نگہ میں ای پری تسخیر دل میرا

بتو اگر حسن کی دولت سے تم ہو بن گئے پارس
ہوا ہی کیمیائے عشق سے اکسیر دل میرا

بتوں کا عشق ہو گر ذوق تو ساری خدائی میں
کرے گا شہر ہر اک دن مجھے تشہیر دل میرا

۵۴ اُن سے کچھ وصل کا ذکر اب نہیں لانا اچھا
وہ جو کچھ کہویں تو تم بھی کہے جانا اچھا

تم نے دشمن ہی کو جب اپنا ہمیں جانا اچھا
یارِ نادان سے تو ہو دشمنِ دانا اچھا

طائرِ جاں کے سوا کوچۂ جاناں کی طرف
نامہ بر کون ہے جو کیجے روانا اچھا

طاقِ ابرو کے تصور میں دلا کھینچ نہ آہ
سمتِ کعبہ پہ نہیں تیر لگانا اچھا

بدگماں ایسے ہیں کہ اس پر بھی نہ ڈالیں نظر
روزنِ در سے نہیں آنکھ لڑانا اچھا

اشک [illegible] دیکھا جو چشم
اپنے ہیں دامنِ مژگاں کا ہلانا اچھا

بیٹھ رہ کر کے قناعت ... میں تو
چھوڑ دے آدھی تو نہیں ساری کو جانا اچھا

ساقیا ابر ہے آیا تو بڑھا خم پہ ہاتھ
کہ گھٹا میں نہیں ہمت کا گھٹانا اچھا

سامنے یار کے اے ذوق بہانا آنسو
ہے تو چاہت کے جتانے کو بہانا اچھا

۵۵ چاہیے عالم میں فروغ اپنا تو ہو گھر سے جدا
دیکھ جگنو ہے شرر ہوتے ہی پتھر سے جدا

کیجیے مشاطہ نہ سبزہ کو خطِ دلبر سے جدا
بدنما ہے گر رہیں مینا کو ساغر سے جدا

لکھے شرحِ سوزِ غم ہجراں جو تیرا بیقرار
ہو تڑپ کر جوں شرر ہر نکتہ دفتر سے جدا

فندقِ پائے نگاریں کا ہوں میں دانہ وہ
قطرۂ خوں بھی نہ ہوگا نوکِ نشتر سے جدا

خطِ شرحِ ناتوانی ہو گیا آنسے ہی آہ
جوں پرِ کم زور بازوئے کبوتر سے جدا

ذوق ہو ترکِ وطن میں صاف نقصِ آبرو
جیسے پھرتے ہیں گہر ہو کر سمندر سے جدا

نکہتِ دل اور اشکِ تر دونوں بہم دونو جدا
ہیں رواں و ہمسفر دونوں ہیں ہم دونو جدا

وصل کی شب نکہتِ گل کی طرح ہم اور وہ
رہتے ہیں باہم مگر دونوں بہم دونو جدا

شکل عکس و آئینہ تیرا خیال اور میرا دل		[illegible] دو نو بہم دونوں جا

ذوق ہیں سینہ میں اوراق جبا جل کی طرح
دل جگر یا شور و شر دو نو بہم دونوں جا

لعل لب دندانِ صنم کا دل نے جب سے خیال کیا	۵۷	صنم بکم [illegible] کیا
لیگا دل اس عشق سے کیا تو جس نے ہی کوہ و صحرا میں		مجنوں کا وہ حال کیا [illegible]
پھرتا ہی تو ای چاند کے گھر سے لیکہ شب و روز آنکھوں میں		دل نے روشن [illegible]
آتش گل ہوئی روشن ہاں یہاں چمکا ہمارے دل کا جوش		موسم گل نے کیا ہنگامہ گرم ہی اب کے سال کیا
سادہ جنوں سے کی جو صحبت تیری ہی تھی یہ سادہ دلی		منہ چڑھ کر اس شوخ کے اپنا کالا منہ اے خال کیا
نامہ یار کو رکھ دیجیو تو ہمدم میرے زیرِ کفن		نامہ جوابِ نامہ ہی اپنا وہ اس نے جو کسی نے سوال کیا
شمع نمط ہر خارِ جنوں کی انگلی ہو گئی جاتی ہے		آبلوں میں تیرا تھا گر تو ناحق کیوں پامال کیا

آگ ہی دل میں درد جگر میں آنکھ میں آنسو لب پہ فغاں
عشق نے اس کے ذوق ہمارا دیکھ تو کیا یہ حال کیا

تیرہ بختی تھی اسی دن اپنی روشن ہو گئی	۵۸	روئے تاباں پر تمہارے جب کہ خال پیدا ہوا
یا الٰہی کیا کہوں تیری عنایت کے سوا		میں نے کیا ایسا کیا جو ایسا دل پیدا ہوا

خاکساری نے اسی دن روشنی پائی تھی ذوق
آدم خاکی کا جس دن آب و گل پیدا ہوا

گر کوئے یار میں نہیں ملتا پتا تو پھر	۵۹	تو کوئے زلف یار میں دل کا سراغ پا
رونے کی چھوٹ چھوٹ کے ہر چشم آبلہ		جوشِ جنوں میں رکھ نہ سوئے کوہ و راغ پا
ساقی کا دورِ چشم ہو گر بر کنارِ آب		پائے حباب آبِ رواں سے ایاغ پا

ای ذوق کیوں نہ چمن میں وہ گل جائے جس کے ہوں
رنگِ حنا سے غیرتِ صد پائیں باغ پا

تجھ[1] کو یوسف سے کیا حسن میں برتر پیدا ۶۰ گر کیا اُس کو پیمبر تجھے کافر پیدا
عاجزی سے رہے آئے نہ ہوا میں کمزور موت ہی چیونٹی کی ہو وے ہیں اگر پر پیدا
خط ترے شعلۂ رخسار پہ ہی معجزِ حسن ورنہ ہو سبزہ بھلا آگ پہ کیونکر پیدا
رُخِ روشن پہ عیاں ہیں جو عرق کے قطرے کیا تماشا ہی کہ دن کو ہوئے اختر پیدا
دُر فشاں وقتِ سخن ہیں لبِ رنگیں تیرے ہوتے گویا ہیں یہاں لعل سے گوہر پیدا
آسماں سخت مزاجوں کو ہنر دیتا ہی دیکھ لو ہوتے ہیں فولاد میں جوہر پیدا

بے مکیں ہوتی نہیں زیبِ مکاں کی اے ذوق
خانۂ دل ہی تو کر لو رخِ دلبر پیدا

ترے[2] ہاتھوں کوئی آوارہ ہی گردوں نہ ٹھیرے گا ۶۱ و لیکن تو بھی گر چاہے کہ میں ٹھیروں نہ ٹھیرے گا
وہ دولت کر طلب جس سے کہ دل ہو جائے مستغنی اگر ہاتھ آئے گا گنجینۂ قاروں نہ ٹھیرے گا

قتل کرتی ہی نگہ شہرہ ہی چشمِ یار کا ۶۲ سچ کہا ہی بار کاٹے نام ہو تلوار کا
آنسوؤں میں شمعِ بالیں برستے ہیں جو پھول میں شہیدِ ناز ہوں کس آتشیں رخسار کا
استخواں اس سوختہ جاں کی نہ کھانا زینہار اے ہما یہ رزق ہو مرغانِ آتش خوار کا

نالۂ بلبل میں گر پیدا اثر ہو جائے گا ۶۳ خندۂ گل خندۂ زخمِ جگر ہو جائے گا
ہم نے جانا تھا کہ قاصد جلد لائے گا خبر کیا خبر تھی جا کے واں خود بے خبر ہو جائے گا

آدم دوبارہ سوئے بہشتِ بریں گیا ۶۴ دیکھو جہاں خراب ہوا پھر وہیں گیا

[1] تیس ہزاری باغ کی تصنیف ۱۲۶۰ھ کی یادگار ہے ۱۲
[2] اس مطلع کو ایک دن حضرت آزاد کی زبان سے سُنکر میر انیس نے اس کی بہت کچھ داد دی تھی فرمایا تھا کہ دوسرے مصرع میں قافیہ لیے پہلو سے بٹھایا ہی جو انھیں کا حق تھا استادی اسی کا نام ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ ہو ہی نہیں سکتا ۱۲

دُنیا گئی کہ عشق میں ایمان ودیں گیا دیکھا کہیں نہ اُس کو جو دیکھا تو اپنے پاس		وہ دل گیا تو جانیے کچھ بھی نہیں گیا میں دور دور جوں نگہِ دوربیں گیا
کیا کیا مزا نہ تیرے ستم کا اُٹھا لیا جو بار آسمان و زمیں سے نہ اُٹھ سکا سر ہم نے جب سے پائے صنم پر ہی رکھ دیا	۶۵	ہم نے بھی لطفِ زندگی اچھا اُٹھا لیا تو نے غضب کیا دلِ شیدا اُٹھا لیا دونوں جہاں سے دستِ تمنا اُٹھا لیا
[ف] کیا کہیں اُس سے جو ہو ہم سے زیادہ جانتا آفتابِ حسن کو کیا خاکساروں کا ہو درد	۶۶	وہ ارادہ ہے ہمارے ارادہ جانتا پا فتادہ کا ہے درد از پا فتادہ جانتا
مَلَک سجدہ کریں آدم کو کیا ذرہ نوازی ہو	۶۷	دیا بندہ کو اپنے اُس نے خود آداب اپنا سا
آنا تو خفا آنا۔ جانا تو رُلا جانا	۶۸	آنا ہی تو کیا آنا۔ جانا ہی تو کیا جانا
اے دل نہ راہِ عشق کشادہ سمجھ کے جا عیاریوں سے یار کی نالاں ہی کیوں دلا	۶۹	یاں اژدہا ہے ہر خطِ جادہ سمجھ کے جا اور اُس کو اپنا دوست زیادہ سمجھ کے جا
اگر رقصاں نہ سر اپنا سنانِ یار پر دیکھا جہاں باریک بینِ ناتواں میں اس قدر دیکھا	۷۰	تو سر بازی کا اپنے کیا تماشا اپنا سر دیکھا ہلالِ انتیسویں کا سب کو منظورِ نظر دیکھا

ف یہ استاد ذوق کے آخری غزل کے شعر ہیں جو مرض الموت تین دن پہلے کہی تھی حضرت آزاد نے اپنے مرتبہ دیوان کے
صرف چار شعر ہی یاد سے لکھے ہیں اصل مسودہ ان کو نہیں ملا [illegible]

رہے گا تشنہ لب سیراب یہ بسمل نہ ہووے گا
میسر جب تک آبِ خنجرِ قاتل نہ ہووے گا
کوئی اے لالہ رو اس حسن کا قائل نہ ہووے گا
اگر مہر گواہی میرا داغِ دل نہ ہووے گا

چاندنی نے شب تجھ بن روپ یہ دکھایا تھا
مجھ کو ماہتابی پر۔ دھوپ میں بٹھایا تھا

بعدِ فراق کوئی دن۔ ایسا نہ وصل کا ہوا
وہ کہیں تم کو کیا ہوا۔ ہم کہیں تم کو کیا ہوا

آدمی گر ہو مکدّر کیا قصور ادراک کا
خاک کا پُتلا ہے یہ کچھ تو اثر ہو خاک کا

کیا کہہ کے مکرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کہہ جو تجھے کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

وہ دیکھیں کس طرح ہے روزِ فرقت دیکھ کر جیتا
کہ جو عاشق ہو تیرا تیری صورت دیکھ کر جیتا

جب قیامت فتنہ زا ہے رشکِ گلشن بن گیا
اخترِ صبحِ قیامت خالِ گردن بن گیا

نشۂ پندار سے ابلیس رہ گم کردہ تھا
ورنہ آدم میں دھرا کیا تھا۔ وہی پردہ تھا

بعدِ قافِ عشق تھا جو درسِ مکتب خانہ تھا
کافِ کُن کے سبق کیا جانے کیا تھا کیا نہ تھا

مژہ پیکاں کا ہے ٹکڑا کہ سری کا ٹکڑا
مکھڑا ہے چاند کا ٹکڑا کہ پری کا ٹکڑا

بل بے گریہ گل زمیں ہو کر قدم گرنے لگا
اور قدم اکھڑے تو کیا دیکھا اٹھو پڑنے لگا

دل کی تپش سے زخمِ جگر کا رات جو ٹانکا ٹوٹ گیا
طائرِ جاں جو رشتہ بپا تھا فرصت پا کے چھوٹ گیا

ضبطِ گریہ نے تماشا طرفہ تر دکھلا دیا
چشم کے کوزہ میں دریا بند کر دکھلا دیا

ہاتھ آ کر دلِ وحشی جو کوئی چھوٹ گیا
ہوسِ صید سے صیاد کا جی چھوٹ گیا

لگا ہے تیر دل پر آہ کس کافر کی مژگاں کا
نشاں سوفار کا معلوم ہوتا ہے نہ پیکاں کا

دل کہاں جس پر گماں ہو غنچۂ تصویر کا
ہے کوئی سینہ میں خوں آلودہ پیکاں تیر کا

چشم و نگہ کو تیرے بدنام کیوں کریگا
مرگ و قضا کو تیرا عاشق نہ لے مریگا

عہدِ پیری نے بھلا یا دوڑ چلنا۔ کودنا
ہائے طفلی کھیلنا۔ کھانا۔ اُچھلنا کودنا

مسجد میں اُس نے ہم کو۔ آنکھیں دکھا کے مارا
کافر کی دیکھو شوخی۔ گھر میں خدا کے مارا

ہوئے انسان ہم دردِ محبت کے لیئے پیدا
فرشتے ہوتے گر ہوتے عبادت کے لیئے پیدا

یا رب یہ اس زمانہ کے لوگوں کو کیا ہوا
جس کا برا ہو اُن کو یہ کہنا۔ بھلا ہوا

آج غصہ سے ادھر کو وہ سفاک اٹھ گیا	۹۲	تب بھر وہ ساز زندگی کا ہم کو اے دل اٹھ گیا
آخر گل اپنی خاکِ درِ میکدہ ہوئی	۹۳	پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا
کچھ رازِ نہاں دل کا عیاں ہو نہیں سکتا	۹۴	گونگے کا سا ہے خواب بیاں ہو نہیں سکتا
سبزۂ خط اے خضرِ طریقت لکھا ہم الخط ہے جدا	۹۵	خطِ بتاں ہے خطِ الٰہی لکھے موسےٰ پڑھے خدا

ردیف ب

پی بھی جا ذوق نہ کر ہیچ و پیس جامِ شراب	۱	لب پہ توبہ ترے دل میں ہوسِ جامِ شراب
دستِ بدمستی کی ٹوٹے کہ فریاد بہت		نہ ہوا کوئی بھی فریادرسِ جامِ شراب
دل شکستہ ہوں وہ میں ٹوٹ کے ہو سو ٹکڑے		نام لکھدے جو کوئی میرا پسِ جامِ شراب
نوش دارو سے بھی بہتر ہے دمِ رنجِ خمار		ساقیا شربتِ فریادرسِ جامِ شراب
بادۂ صاف میں آیا ہے کہاں سے تنکا		عکسِ مژگاں ترا مِکش ہے خسِ جامِ شراب

ذوق جلدی سے مئے گلرنگ سے بھر ساغرِ گُل
لبِ نازک کو ہے اُس کے ہوسِ جامِ شراب

ہو ہجر مدتوں جو ہو وصل ایک دم نصیب	۲	کم ہوگا کوئی ہم سا بھی الفت میں کم نصیب
بہتر ہیں لاکھ لطف و کرم سے ترے ستم		اپنے زہے نصیب کہ ہوں یہ ستم نصیب
ہے خوش نصیب عشق میں اے بوالہوس وہی		جس کو کہ غم پہ غم ہے الم پہ الم نصیب
غافل جو دم کی آمد و شد سے نہ ہووے تو		ہر دم ہے تجھ کو سیرِ وجود و عدم نصیب

سو بار جوں قلم ہو زباں شمع کی قلم ۔۔۔ [illegible] زباں [illegible]
مجنوں سیاہ چشم لیلےٰ سے کرو پھر ۔۔۔ [illegible]
ایماں ہے تیرا شوق [illegible] کو یہ ہو ۔۔۔ [illegible]

جاتے ہیں [illegible]
اور ذوق [illegible]

دل عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب ۔۔۔ [illegible] کی طلب
حسرت دل میں ہے اُس سرو قامت کی طلب ۔۔۔ [illegible]
دل سے لگ جائے نہ جب تک اور بھڑک جانا جاں ۔۔۔ [illegible] کی طلب
ہو مبارک خضر کو سرچشمۂ آبِ حیات ۔۔۔ [illegible] کی طلب
دو رہ اور وہ [illegible] سامنے مثلِ ہلال ۔۔۔ [illegible] کی طلب
جو حلاوت زندگی کی چاہتا ہے چرخ سے ۔۔۔ [illegible] کی طلب

اگر گلستانِ جہاں میں تنگ ہو تو غنچہ وار
کر کشادہ دل سے اپنے ذوق بیعت کی طلب

کرے ہی شرع کا پاسِ نمک مدام شراب ۔۔۔ ۴ ۔۔۔ حرام ہی نہیں لیکن نمک حرام شراب
یہ ایسا ماہِ مبارک وہ ایسا کارِ سعید ۔۔۔ شروع دیکھ کے کیجے مہِ صیام شراب

عوض ہی نشۂ دنیا کا ذوق عقبےٰ پر
دوام بکتی ہے اس میکدہ میں وام شراب

اُس بتِ نامہرباں کو ہی پسند اتنا رقیب ۔۔۔ ۵ ۔۔۔ وِرد اسمائے الٰہی میں بھی ہی تو یا رقیب

ردیف ت

۱
معلوم جو ہوتا ہمیں انجامِ محبت — لیتے نہ کبھی بھول کے ہم نامِ محبت
خاکسترِ پروانہ دکھا دوں ہیں اُڑا کر — پوچھے کوئی مجھ سے اگر انجامِ محبت
کی جس سے رہ و رسمِ محبت اُسے مارا — پیغامِ قضا ہے ترا پیغامِ محبت
زُہّاد سے ہے کام نہ زُہّاد سے کہہ ہم تو — ہیں بادہ کشِ عشق و مے آشامِ محبت
کہتی تھی وفا نوحہ کناں نعش پہ میری — سونپا کسے تو نے مجھے ناکامِ محبت

معراج سمجھ ذوق تو قاتل کی سناں کو
چڑھ سر کے بل اس زینہ سے تا بامِ محبت

۲
مجنوں نے دی لگا جو سرِ خارزار پشت — پشت اب ہجومِ خار سے ہے پشتِ خارپشت
ماہی سے تا بماہ ہیں دستِ فلک سے داغ — واں داغدار سینہ ہے یاں داغدار پشت
بارِ زمانہ پشت پہ لے کر شتر کی طرح — سیدھی نہ کی فلک نے کبھی ایک بار پشت
ہو جاتی ہے زیادہ گرانباریِ گناہ — پیری میں ہو خمیدہ نہ کیوں زیر بار پشت
سینہ سپر ہو منہ پہ ہیں تیغِ نگاہ کی — دکھلاتے وہ کبھی نہیں آئینہ وار پشت
ڈر ہے یہی کہ ایسا نہ ہو بعد مرگ بھی — لگنے نہ دے زمیں سے دلِ بیقرار پشت

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

ردیف ج

۱
ہے وہ آزارِ محبت سے دلِ زار کو رنج — جس سے خود رنج کو آزار ہے آزار کو رنج
دیدۂ آبلۂ پا کا یہی ہے رونا — کہ نہ پہنچا ہو کہیں مجھ سے کسی خار کو رنج

جا بجا کوہ کے چشموں سے رواں ہیں آنسو — ہی جو ناکامیِ فرہاد کا کہسار کو رنج
کبھی کرتی ہی قدم رنجہ جو گلشن سے صبا — اور ہوتا ہی سوا مرغِ گرفتار کو رنج
راحت و رنج زمانہ میں ہیں دونوں لیکن — یاں اگر ایک کو راحت ہی تو ہی چار کو رنج

ہوش کو بیچ کے لے دارُوئے بیہوشی تو
ذوق بیہوش کو آرام ہی ہشیار کو رنج

٢ مرتا ہوں انتظار میں کوئی بشر تو بھیج — خط بھیج یا نہ بھیج زبانی خبر تو بھیج

٣ بیمار عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج — کہہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

ردیف چ

عاشق رسوا کے خط میں کیا تکلف چاہیئے — چار حرف اک پرچہ پر دو تو نہیں بے القاب بھیج

ردیف ح

١ فرقت کی رات جی چکے ہم تا زمانِ صبح — ہوگی اذانِ گور ہماری اذانِ صبح
اب میکدہ میں شام کو ناقوس پھونکیے — مسجد میں مدتوں ہے تسبیح خوانِ صبح
ریشِ سفیدِ شیخ میں ہی ظلمت قریب — اس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمانِ صبح

اے ذوق کچھ نہ پایا شبِ وصل کا مزہ
یا آج صبح ہم نہیں یا طائرانِ صبح

٢ اس چشم مست کے ہیں خرابانیوں میں ہم — تقویٰ کجا و زہد کجا و کجا صلاح
رہنا ہی اپنا عشق میں یوں دل سے مشورہ — جس طرح آشنا سے کرے آشنا صلاح
زاہد یہ کیا کہا کہ نہ مل ان بتوں سے تو — دیتا ہی ایسی کوئی بھی مردِ خدا صلاح

یارب ہو دل کی خیر کہ کچھ کر رہے ہیں آج
چشم و نگاہ مشورہ۔ نازو ادا اصلاح

منظور اگر ہو قتل مرا غیر سے نہ پوچھ
ہو تو صلاح نیک ہیں کیا پوچھنا صلاح

قلابے آسمان و زمیں کے ملا نہ تو
اُس مہروش سے ملنے کی ناصح بتا صلاح

اے ذوق جانہ ہوش و خرد کی صلاح پر
جو عشق دے صلاح۔ وہی ہے بجا صلاح

ردیف خ

کہتی تھی[۵۱] چوب تیشہ مری طرح ایک دن
سوکھے گی نخل آرزوئے کوہکن کی شاخ

لچکے ہے یوں کمر تری وقت خرام ناز
جنباں ہو جوں نسیم چمن سے سمن کی شاخ

مسواک نے بڑھایا ہے زاہد کا اعتبار
ہے یہ بھی اُس کے ایک شجر مکر و فن کی شاخ

نے برگ ہے نہ غنچہ۔ نہ گل ہے۔ نہ ہے ثمر
میں خشک طالعی سے ہوں گویا ہرن کی شاخ

باریک ہیں بتاتے ہیں جس کو تری کمر
یا کوئی موئے تن ہے و یا موئے تن کی شاخ

ہے فیض سے وقار کے میری نگاہ میں
جس شاخ میں ثمر ہے وہ ہے لاکھ من کی شاخ

آخر یہ دستگیری تیشہ نے پھل دیا
کی قطع نخل آرزوئے کوہکن کی شاخ

بدخصلتوں کو کرتا ہے بالانشیں فلک
اونچی ہے آشیانہ زاغ و زغن کی شاخ

[۵۱] یہ غزل نواب عبداللہ خاں ساکن رامپور کی فرمائش سے اپنے زمانہ قیام دہلی میں اُستاد نے اس موقعہ پر کہی تھی جب شہیدی (بریلوی) بہ لباس فقیری دہلی آئے تھے۔ وجہ تصنیف یہ کہی جاتی ہے کہ شہیدی نے نواب سے کہا آج فن شعر میں تین شخص ہیں شیخ ناسخ لکھنؤ میں شیخ حفیظ دکن میں شیخ ابراہیم دہلی میں۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ شیخ ابراہیم کو تیسرا درجہ کیوں دیا اس پر شہیدی نے شیخ ناسخ کے کلام کی بہت تعریف کی اور مثال میں یہ غزل سنائی جس کا مطلع یہ تھا

ہے نازکی سے قامت جاناں سمن کی شاخ
ہے سوز عشق سے ہوں چنار کہن کی شاخ

اس پر نواب صاحب نے اُستاد ذوق سے کہا کہ وہ بھی اس طرح پر غزل کہیں چنانچہ یہ غزل کہکر اُستاد نے جلسۂ خاص میں سنائی یہ بہت لمبی غزل ہے اور اسی زمین میں نہ صرف غزل کہی بلکہ اس کو اکبر شاہ کی مدح کا قصیدہ بنا دیا مدح کا حصہ قصائد ذوق میں شامل ہے ملاحظہ ہو قصیدہ[۵] (قصائد ذوق ص۳۲)

ردیف د

کیا آئے تم جو آئے گھڑی دو گھڑی کے بعد	۱	سینہ میں ہوگی سانس اڑی دو گھڑی کے بعد
کیا رو کا ہم نے گریہ کو اپنے کہ لگ گئی		پھر وہ ہی آنسوؤں کی جھڑی دو گھڑی کے بعد
اُس لعل لب کے ہم نے لیئے بوسے اس قدر		سب اُڑ گئی مسی کی دھڑی دو گھڑی کے بعد
اللہ رے ضعف سینہ سے ہر آہ بے اثر		لب تک جو پہنچی بھی تو گھڑی دو گھڑی کے بعد
کل اُس سے ہم نے ترک ملاقات کی تو کیا		پھر اُس بغیر کل نہ پڑی دو گھڑی کے بعد
پروانہ گرد شمع کے شب دو گھڑی رہا		پھر دیکھی اُس کی خاک پڑی دو گھڑی کے بعد
تو دو گھڑی کا وعدہ نہ کر دیکھ جلد آ		آنے میں ہوگی دیر بڑی دو گھڑی کے بعد

کیا جانے دو گھڑی وہ رہے ذوق کس طرح
پھر تو نہ ٹھیرے پاؤں گھڑی دو گھڑی کے بعد

ماتھے[لہ] پہ ترے چمکے ہی جھومر کا پڑا چاند	۲	لا بوسہ چڑھے چاند کا وعدہ تھا چڑھا چاند
ہے آئینہ خانہ بھی گذرگاہ بد و نیک	۳	دیکھا نہ کبھی[۲] ہم نے دلِ اہلِ صفا بند
دم گھٹتا ہے سینہ میں دمِ شدتِ گریہ		باراں کی علامت ہے جو ہو جائے ہوا بند

ردیف ذ

بن گیا عکس سے اُس شوخ گلستاں رو کے	۱	صفحۂ آئینہ تصویر چمن کا کاغذ

لہ یہ ابتدائی زمانہ کا شعر ہے صرف اُس زمانہ کا مذاق شعر ظاہر کرنے کو انتخاب میں لیا گیا یہ شعر اُستاد نے لڑکپن میں اپنے کسی ہم عمر کی فرمائش سے برجستہ یونہیں کہدیا تھا دیوان میں شامل نہیں کیا ۱۲ ؎۲ یہ غزل ۱۸۵۲ء کے ایک مشاعرہ کی طرح پر لکھی تھی ۱۲

یوں قفس میں کوئی ہم تک ہی پہنچا گلبرگ پھر وہ کرتا ہی نامہ پہ مجھے آکے ہی تنگ		جیسے غربت میں شفیقانِ وطن کا کاغذ ہائے یوں چوسے لعاب اس کے دہن کا کاغذ

ذوقِ دلسوختہ دیواں لکھے اپنا کیا خاک
متحمل نہیں گرمیٔ سخن کا کاغذ

ردیف ر

نگہ نہیں حرفِ دلنشیں تھا۔ دہن کی تنگی سے تنگ ہو کر
نکل کے رستہ سے چشمِ فتاں کے دل میں بیٹھا خدنگ ہو کر

پھر آیا لو وہ نگارِ خونی ادھر کو سرگرمِ جنگ ہو کر
کہ جس کے ہاتھوں سے اُڑ گئے سر ہزاروں مہندی کا رنگ ہو کر

وہ چشمِ مخمور اک نظر سے چبھوئے لاکھوں جو نیشتر سے
تو ہو رواں ہر رگِ جگر سے لہو مئے لالہ رنگ ہو کر

جو رنگ الفت سے آشنا ہیں۔ وہ گرچہ بے بھی ہیں خوشنما ہیں
کہ رنگ ہی سے گراں بہا ہیں عقیق و یاقوت سنگ ہو کر

جو سمجھیں حسنِ بتاں کو ایماں۔ انھیں رہِ کفر و دیں ہی یکساں
پہنچتے کعبہ میں وہ مسلماں ہمیشہ چین و فرنگ ہو کر

صفائے دل کی یہی ہی صورت۔ کہ دل میں آنے نہ دے کدورت
کہ بیٹھ جائینگے بالضرورۃ۔ اس آئینہ میں یہ زنگ ہو کر

غزالِ رم دیدہ بن گیا ہی۔ جو خواب آنکھوں میں۔ تو بجا ہی
کہ پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہی۔ پلنگ تجھ بن۔ پلنگ ہو کر

ہوئے جو یکرنگ۔ ان کو زیبا۔ نہیں جہاں میں رعونت اصلا
کہ پایا گل نے ہے نام رعنا[۵۱] تو اس چمن میں دو رنگ ہوکر

حلاوت شرم و پاسداری جہاں میں ہے ذوق ہیچ مخواہی
مزے سے گزری اگر گزاری کسی نے بے نام و ننگ ہوکر

سچ کہا ہے۔ آگے کالے کے نہیں جلتا چراغ	۲	چھپ گیا مہر رخ پہ تیرے زلف شب گوں دیکھ کر
جو ہے نالہ اپنا۔ وہ اک مصرع برجستہ ہے		ہم چنانان ہیں کسی کا قد موزوں دیکھ کر
قتل کو کس کے چڑھائی تیغ تو نے سان پہ		اُتر آنکھوں میں جو زخموں کی مرے خوں دیکھ کر

لے گیا دل کون میرا۔ ذوق کس کا نام لوں
سامنے آجائے تو شاید بتادوں دیکھ کر

کہا پتنگ نے یہ۔ دار شمع پہ چڑھ کر	۳	عجب مزا ہے جو مرے کسی کے سر چڑھ کر
سنگدلوں کی کشاکش میں آبرو ہو سوا		کہ ہوتی سان پہ ہے تیغ تیز تر چڑھ کر
ہنر شناس کو دکھلا ہنر۔ کہ خوبیِ زر		اگر کھلے ہے تو صراف کی نظر چڑھ کر
جو مارے نفس کو اور کرے اپنے غصہ کو زیر		بنائے سانپ کا کوڑا وہ شیر پر چڑھ کر

ہماری خاک پہ برپا ہے ذوق فتنۂ حشر
سمند ناز پہ کون آیا فتنہ گر چڑھ کر

تیرا بیمار نہ سنبھلا جو سنبھالا[۵۲] لیکر	۴	چپکے ہی بیٹھ رہے دم کو مسیحا لیکر
ذبح کرنے کو مرے پوچھتے کیا ہو تکبیر		ہم چھری پھیر بھی وہ نام خدا کا لیکر
جبکہ دیکھا نہ ملا مجھ میں کہیں میرا پتا		پھر گیا نامہ بر یار خط الٹا لیکر
میرے قدموں ہی میں رہ جائینگے جائینگے کہاں		دشت میں میرے قدم آبلہ پا لیکر

۵۱ ایک پھول کا نام ہے جو اندر سے سرخ باہر سے زرد ہوتا ہے ۱۲

۵۲ سنبھالا لینا۔ جب بیمار مرنے کے قریب ہوتا ہے تو دفعتاً اس کی حالت سنبھل جاتی ہے اور اس کے بعد ہی حالت خراب ہوکر مریض جاں بحق تسلیم ہوجاتا ہے اس کو محاورہ میں سنبھالا لینا کہتے ہیں ۱۲

واں سے یاں آئے تھے اے ذوق تو کیا لائے تھے
یاں سے تو جائینگے ہم لاکھ تمنا لیکر

۵

کل[1] گئے تھے تم جسے بیمار ہجراں چھوڑ کر
چل بسا وہ آج سب ہستی کا ساماں چھوڑ کر

طفل اشک ایسا گرا دامان مژگاں چھوڑ کر
پھر نہ اٹھا کوچۂ چاک گریباں چھوڑ کر

کام یہ تیرا ہی تھا رحمت ہے اے ابر کرم
ورنہ جائے داغ عصیاں میرا داماں چھوڑ کر

اے دل اس کے تیر کے ہمراہ سینہ سے نکل
دیکھ پچھتائیگا تو یہ ساتھ ناداں چھوڑ کر

پیش خیمہ لے کے نکلا گرد باد وادی آہ
ہے جو سرگرم سفر تن کو مری جاں چھوڑ کر

گر خدا دیوے قناعت ماہ یک ہفتہ کی طرح
دوڑے ساہی کو کبھی آدھی نہ انساں چھوڑ کر

طرز میں اپنی غزل لکھ ذوق لیکن اب نہ جا
عالم مضموں میں طرز تفتہ جاناں چھوڑ کر

۶

ہو گیا طفلی ہی سے دل میں ترازو تیر عشق
بھاگے ہیں مکتب سے ہم اوراق میزاں چھوڑ کر

اہل جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک
لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کر

گرچہ ہے ملک دکن میں ان دنوں قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

۷

بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

کیا ڈھونڈے دشت گم شدگی میں مجھے کہ ہوں
عنقا مرے سراغ سے دور اور شکستہ پر

ساقی بط شراب ہے تجھ بن پڑی ہوئی
خم سے الگ ایاغ سے دور اور شکستہ پر

[1] یہ غزل دیوان چندو لعل صاحب مدار المہام حیدرآباد کے مشاعرہ کی طرح پر کہی تھی دیوان صاحب کی خواہش تھی کہ ذوق خود آکر اس غزل کو مشاعرہ میں پڑھیں دو ہزار روپیہ بھی سفر خرچ کے لیے دیوان صاحب نے بھیجے تھے جو استاد نے واپس کردیئے اور دلی سے جدائی گوارا نہ کی نہ حیدرآباد دکن نہ گئے صرف دو غزلہ لکھ کر بھیج دیا دوسری غزل کا مقطع ملاحظہ ہو " ص ۵۲ " اس مطلع کو استاد کی زبان سے سنکر مومن خاں نے فرمایا تھا "پھر کوئی مطلع کیا کہیگا رستہ بند ہے" ۱۲

۸

بادام دو جو بھیجے ہیں بٹوے میں ڈال کر — ایما ہی یہ کہ بھیج دے آنکھیں نکال کر
عاشق کے خوں سے اپنا پرِ تیر لال کر — دکھلائے شاخ خشک میں کوپل نکال کر
گر چاہتا ہی مثلِ مہ چاردہ فروغ — آ پھر کے شہر شہر میں کسبِ کمال کر
پوچھو چلے ہیں کونسے کعبہ کو اہلِ درد — ملکِ فنا ہی۔ جائیں ذرا دل سنبھال کر
قاتل ہی کس مزے سے نمک پاش زخمِ دل — بسمل ذرا تڑپ کے نمک تو حلال کر

دل کو رفیق عشق میں اپنا سمجھ نہ ذوق
ٹل جائے گا یہ اپنی بلا تجھ پہ ٹال کر

مزا چکھایا ہی کوہکن کو۔ جو عشق آیا ہی (۹) امتحاں پر
کہ لایا تو جوئے شیر لیکن چھٹی کا دودا گیا زباں پر
خدنگِ دنبالہ کھایا لیکن نہ لایا شکوہ کبھی زباں پر
کہ بوسہ اُس چشمِ سرمہ سا کا ہی مُہر گویا مری زباں پر
لگا کے باتوں میں اُن کو لائیں جو حرفِ مطلب کا کچھ زباں پر
تو ایسی کہدیں ٹھکانا جس کا لگے زمیں پر نہ آسماں پر
تپِ محبت میں سخت جانی کا یہ اثر ہی دلِ طپاں پر
کہ شکلِ سوہان پڑ گئے ہیں ہزاروں کانٹے مری زباں پر
اُٹھائے سو زخم ہر نمط ہیں۔ یہ خوں کے دعوے کوئی غلط ہیں
کہ مثلِ قط گیر خط پہ خط ہیں۔ ہنوز باقی ہر استخواں پر
خلش یہی خارِ غم کا رہا۔ تو مرقد پہ میرے سبزہ
یقیں ہی مانندِ برگِ خرما اُگے گا نشتر لیئے زباں پر
کہا یہ سو بار دل کو روکر۔ حریف مت تُرکِ چشم کو کر
سو آخرش ٹکڑے ٹکڑے ہوکر۔ بہا ہی مژگاں کی ہر سناں پر

وہ چشم ابرو تمہارے زیبا کہ۔ قاب قوسین جن سے ادنے
یہ خالِ پیشانی کیوں تمہارا نہ فرق لے جائے فرقداں پر[۱]
بنا بگولے کو برج آسا۔ قریب ناقہ کے قیس ہو نچا
پر اُترے محمل سے کیونکہ لیلےٰ۔ کہ پردہ کھلتا ہی ساربان پر

کہاں رہی مجھ میں جاں ہی باقی کہ ہو دھواں ہو کے لب پہ آتی
جو ذوق آنسو کی بوند ٹپکی۔ ہمارے داغ دل تپاں پر

اے دل وہ سرِّ غمزۂ پنہاں عیاں نہ کر آہوں میں دردِ دل جو نکالوں تو وہ کہے	۱۰	آنکھوں سے دیکھ اور زباں سے بیاں نہ کر او تفتہ جاں! ہوا ہو یہاں سے دھواں نہ کر
جو ترے دوست پہ تجھ بن ہی گزرتی ظالم	۱۱	وہ مصیبت نہ ہو دُنیا میں کسی دشمن پر
نامۂ شوق کو مرے باندھے ہی تو جو بال[۲] پر مصحف روئے یار میں دیکھا ہو جو خال پر	۱۲	کیوں اُڑے مرغ نامہ بر تجھ کو ہوئے وبال پر لکھتے ہیں قل ہو اللہ ہم ایک چنے کی دال پر
ہیں ہما کے سر پہ افسر اُن ہواگیروں کے پر اُن کو بے پر عرشِ اعظم پہ اُڑاتے ہیں مرید	۱۳	رِل گئے جن طائروں کو ہیں ترے تیروں کے پر کیا غضب لائیں خدا جانے جو ہوں پیروں کے پر
شرحِ بختِ برگشتہ گر کروں رقم پھر کر	۱۴	تیر بازگشتی ہو۔ ہاتھ میں قلم پھر کر
رکھ لیا اُس نے چمن میں گل جو سر پہ توڑ کر	۱۴	میں بھی حاضر ہوں کہا غنچہ نے یوں منہ پھوڑ کر
بعدِ مردن آپ چلے رونے کو سُن کر گورِ دور	۱۵	جیتے جی کہتے ہو چل صورت نہ دکھا گور دور

[۱] فرقدان۔ دو ستاروں کا نام جو قطب کے نزدیک گردش کرتے ہیں اور صبح سے قلم تک برابر دکھائی دیتے ہیں ۱۲
[۲] بال بہ معنی بازو ۱۲

دل شوریدہ نے خاک اُڑا کر
بیاباں رکھ لیا سر پہ اُٹھا کر

خفا تو ہو نہ وقتِ فصد میرے تلملانے پر
اکھوں کیا لوٹتا ہوں میں ترے بازو دبانے پر

ردیف س

کونسا ہمدم ہی تیرے عاشقِ بیدم کے پاس
غم ہی اُس کے پاس ہمدم اور رہتا ہی دم کے پاس

کس کی قسمت ہی کہ زخمِ تیغِ قاتل ہو نصیب
جان سے جائیں نہ جائینگے مگر مرہم کے پاس

زلف سے بے وجہ خطِ سبز ہم پہلو نہیں
ہی لٹکتا عشقِ پیچاں سنبلِ پُرخم کے پاس

دیکھو فیاضِ ازل نے کیا دیا آنکھوں کو فیض
کاسہ درکف ہو کے یم آتے ہیں اُن کی نم کے پاس

ہی جو قسمت میں تو دریا بھی کبھی ہو جائے گا
آلگا ہی اپنا قطرہ بھی کنارِ یم کے پاس

کر کے بحر و قافیہ تبدیل لکھ اور اک غزل
بیٹھ کر بیدم ذرا اے ذوق اور اس پُرغم کے پاس

شب جانِ زار رُک گئی لب تک دہن کے پاس
پھر اُٹھ کے رہ گیا یہ مسافر وطن کے پاس

یہ جوئے خوں رواں نہیں دیکھو ہی رو رہا
تیشہ سر اپنا رکھ کے سرِ کوہکن کے پاس

اس آرزو میں جان ہوں دیتا کہ لیکے جام
پہنچوں کبھی لبِ بُتِ پیماں شکن کے پاس

انگشتِ شمع کیوں نہ اُٹھے بہرِ فاتحہ
یہ ڈھیر ہی پتنگ کا پائے لگن کے پاس

ق

میں نے کہا کہ بوسہ تمھی دو! ادب سے میں
لا سکتا اپنا منہ نہیں چاہِ ذقن کے پاس

ہنسکر کہا کہ جاتا ہی پیاسا کوئیں پہ آپ
یا جاتا ہی کنواں کسی تشنہ دہن کے پاس

اے ذوق صدقے جائیے پیکِ خیال کے
کیا لے گیا اُڑا کے بتِ سیمتن کے پاس

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے ہے تو آن کے پاس	۳	بدگماں وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس
چمن سے بُعد ہیں جیسے سین و قاف نفس	۴	قفس میں بند ہیں ہم جیسے فائے ناف قفس
لب شیریں کو ترے جان کے رس چشم مگس پر ہوس جیفۂ[1] دنیا سے بھرا دل نہ ترا	۵	میٹھی نظروں سے ترے پیتے چلے ہے بس چشم مگس تو مگس اور تری چشم ہوس چشم مگس

ردیف ص

سب مذاہب میں یہی ہے نہیں اسلام میں خاص خضر! باتیں ہیں کہ ہے چشمۂ حیواں جاں بخش عشق کا جوش ہے جبتک کہ جوانی کے ہیں دن	۱	کہ یہاں عام ہے جو ہوتا ہے وہاں عام میں خاص ہے یہ خاصیت اُسی کے لب [illegible] میں خاص یہ مرض کرتا ہے شدت انہیں ایام میں خاص

ذوق اسمائے الٰہی ہیں سب اسم اعظم
اُس کے ہر نام میں عظمت ہے نہ اک نام میں خاص

ردیف ض

پر کترنے کو جو صیاد نے چاہی مقراض گل کترتی ہیں ہزاروں تری آنکھیں کافر پاس کیا قطع تعلق میں کہ یکساں سمجھے	۲	ہاتھ ملتی تھی مرے حال پہ کیا ہی مقراض ہے عجب طرح کی اک تیز نگاہی مقراض قطع میں جامۂ درویشی و شاہی مقراض

رشتۂ عمر کیا قطع سراسر اے ذوق
کھو سکی شمع کے دل کی نہ سیاہی مقراض

[1] حیوانِ مردار جسمیں بدبو آگئی ہو ۱۲

ردیف ع

ذوق کیونکر ہو اپنا دیوان جمع	۱	کہ نہیں خاطر پریشان جمع

ردیف ق

پھر کر ادھر اُدھر بھی نہ اپنا گیا قلق	۱	لفظ قلق کی طرح سے یوں ہی رہا قلق

ردیف ک

جو شعلہ رُو اُن کی زلفیں بال آئیں سر سے پاؤں تک	۱	بلائیں آپ کے لیں تو سو بلائیں سر سے پاؤں تک
ہم اُن کی چال سے پہچان لینگے اُن کو برقع میں		ہزار اپنے کو وہ ہم سے چھپائیں سر سے پاؤں تک
یہ جتنے سرو ہیں سب اُن کے قد پر زہر کھاتے ہیں		چمن میں سبز کیونکہ ہو نہ جائیں سر سے پاؤں تک
سراپا شوق جائیں سر کے بل ہم جن کے جلسے میں		مثال شمع وہ ہم کو جلائیں سر سے پاؤں تک
بنایا اس لیے اس خاک کے پتلے کو تھا انساں		کہ اس کو درد کا پتلا بنائیں سر سے پاؤں تک
سراپا پاک ہیں دھوئے جنھوں نے ہاتھ دنیا سے		نہیں حاجت کہ وہ پانی بہائیں سر سے پاؤں تک

مزا اتنا ہی ذوق آتا ہے جتنے زخم افزوں ہوں
نہ کیوں ہم زخم تیغ عشق کھائیں سر سے پاؤں تک

پھر تو آئے خیر سے ہم جا کے اُس مغرور تک	۲	پر اُچھلتا ہی رہا اپنا کلیجہ دور تک

۳

صفحۂ دہر پہ یکدل نہ ہوا ایک سے ایک
دل کے دو حرف ہیں سو بھی ہیں جدا ایک سے ایک

ردیف گ

١ بینی و عارض و ابرو سے ہیں شاخ و گل و برگ
یوں عیاں اس چمن رو سے ہیں شاخ و گل و برگ

بینی اور رو دہنِ خندہ زن اور تارکِ لب
لکھے گویا قلم مو سے ہیں شاخ و گل و برگ

ردیف ل

١ نکل نہ جائے دمِ اضطراب سینے سے
برنگِ شعلہ کہیں - آہِ شعلہ بار میں دل

ہمیشہ ہوتا ہے سینے سے کیوں ہی چشم براہ
اگر نہیں کسی ہوش کے انتظار میں دل

خدا بچائے مجھے اس بغل کے دشمن سے
کہ میرا دشمنِ جاں ہے مری کنار میں دل

اگر نہ جبر کروں اختیار اے ناصح
تو کیا کروں کہ نہیں میرے اختیار میں دل

اڑے گا مثلِ شرر ٹکڑے ہو کے سنگ مثال
رہا اگر یوں ہی گرمِ تپش مزار میں دل

بہ رنگِ غنچۂ پیکان و غنچۂ تصویر
ہوا شگفتہ نہ اپنا کسی بہار میں دل

ہزار دشمنِ جاں سے ہے ایک دوست برا
جو پوچھو کون ہے وہ؟ میں کہوں ہزار میں دل

یہ جسمِ زار ہے یا میرے پیرہن میں ہے تار
گرہ ہے تار میں؟ یا ہے جسمِ زار میں دل

اُٹھا بھی لائے اگر ہمنشیں مجھے اے ذوق
رہے گا میرے عوض میرا کوئے یار میں دل

٢ پڑے جو عکس ترا جام میں تو ہو روشن
حباب بادہ تجلی سے طور کی قندیل

عیاں ہے یوں مرے روزِ سیاہ میں خورشید
کہ جیسے شب کو نظر آئے دور کی قندیل

٣ دیوانہ ہوں تیرا مجھے کیا کام کہ لوں گل
زیبائشِ سر کو ہیں مرے داغِ جنوں گل

برگشتہ ہوں لعلِ لبِ پان خوردہ کا کس کے
نکلے ہیں مری خاک سے آغشتہ بخوں گل

ہی روشنیِ خانۂ دل۔ سوزِ محبت | زاہد تو بتا شمعِ حرم کیوں نہ کروں گل

ای ذوق محبت میں کسی غنچہ دہن کے
گلدستے سے بھی ہیں میرے ہاتھوں پہ فزوں گل

آئینۂ فلک میں ہی عکسِ چراغِ دل | ۴ | خورشید ہو نمود ہوا بل بے داغِ دل

ردیف م

شمع[٥] نازاں نہ ہو اک رات بہا آنسو گرم | ۱ | برسوں یاں آنکھ سے ٹپکا ہی مرے لو ہو گرم
آبلے سینۂ دریا میں ہوئے جل کے حباب | دیدۂ تر نے بہائے ہیں غضب آنسو گرم
ای صبا نکہت گل لیکے چمن کو پھر جا | کیا کروں سر کو مرے کرتی ہی یہ خوشبو گرم
فاختہ سوزِ محبت سے ہوئی جل کے ہی خاک | کھینچے ہی دل سے پر اب تک نفسِ کو کو گرم
مشعل افروزِ جنوں کون ہو مجنوں کے لیے | گر نہ ہو گرمیِ وحشت سے دلِ آہو گرم

ذوق دل میں تپ عشق۔ کلام ایسا خنک
عاشقانہ سی غزل اور کوئی پڑھ تو گرم

دل بنے ای آتشِ غم۔ دل کو کرے یہ تو گرم | ۲ | کہ زمیں پشتِ سماک تک ہو تہ پہلو گرم
تن رہا یوں ہی تپ غم سے اگر گرم مرا | سیخ آہن کی طرح ہونگے بدن پر مو گرم
نیشتر جل کے وہیں کشتۂ فولاد ہوا | نکلا یہ آتشِ سودا سے مرا لو ہو گرم
کونسا سوختہ جاں صبح سے ہی گرم فغاں | کہ ہوا آتی ہی کوچہ سے ترے گل رو گرم

ہم تو سنتے تھے سدا کُل حموضِ بارد
ذوق ہوتا ہی وہ کیوں ہو کے ترش ابرو گرم

٥ یہ غزل عالمِ نوجوانی میں ایک مشاعرہ کے لیئے لکھی گئی تھی۔ اُستاد نے غزل لکھنے سے پہلے اس مشاعرہ کی طرح سنکر میر مشاعرہ سے کہدیا تھا کہ زمین تو گرم ہی مگر تاثیر ٹھنڈی ہی چنانچہ اُستاد کی پیشگوئی پوری ہوئی جب مشاعرہ جمع ہوا تو جو جلسہ میں آیا نالاں آیا

۲ پابند جوں خال ہیں پریشاں میں ہم
یارب ہیں کس کی زلف کے زندانیوں میں ہم

ہوتی نہ یادِ زلف تو خطِ شکستہ میں
لکھتے الف خطوں کی نہ پیشانیوں میں ہم

پائی نہ تیغِ عشق سے ہم نے کہیں پناہ
قربِ حرم میں بھی ہیں تو قربانیوں میں ہم

دوزخ بھی جائے نعرۂ ھل من مزید بھول
لائیں جو آہ کو شعلہ افشانیوں میں ہم

پا کوبیوں کو مژدہ ہو زنداں کو ہو نوید
پھرتے ہیں جنکے سلسلہ جنبانیوں میں ہم

غم بھی نہیں جگر پہ رہی اس قدر رہے
سرگرم سوزِ عشق کی مہمانیوں میں ہم

ہیں آئنے میں صورتِ تصویرِ آئنہ
آئینہ رو کے سامنے حیرانیوں میں ہم

کیا جانیں ہم زمانہ کو حادث ہے یا قدیم
کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

کیوں جی کے ہجر میں ہوئے شرمندہ یار سے
اب مر رہے ہیں اس کی پشیمانیوں میں ہم

پڑتے ہیں چشمِ مست کے سرخوش ہیں جو مدام
شرب الیہود[۵] کرتے ہیں نصرانیوں میں ہم

اُس خالِ رُخ پہ جمع ہوئے قطرۂ عرق
ہندو اسیر دیکھیں ہیں قُرّانیوں میں ہم

سینہ کا چاک سینے کی فرصت کہاں کہ ہیں
مصروف زخمِ دل کی نمکدانیوں میں ہم

دکھلائیں روزِ حشر کو بین السطور سے
اپنے سیاہ نامہ کی طولانیوں میں ہم

جا ملتے ضعف سے نہیں کوچہ میں اُس کے ذوق
بہجائیں کاش گریہ کی طغیانیوں میں ہم

ردیف ن

۱ بے یار روزِ عید شبِ غم سے کم نہیں
جامِ شراب دیدۂ پرنم سے کم نہیں

دیتا ہے دورِ چرخ کسے فرصتِ نشاط
ہو جام جس کے ہاتھ میں وہ جم سے کم نہیں

۵ یہودی لوگ شراب بھی کم پیتے ہیں اور چھپ کر پیتے ہیں فارسی شعرا نے کم پینے اور چھپکر پینے کے لیے "شراب الیہود" کی اصطلاح مقرر کر لی ہے۔

زیبا ہی روئے زرد پہ کیا اشکِ لالہ گوں
ہوتی ہی جمع زر سے پریشانی آخرش
شورابۂ سرشک میں ڈوبا ہوا ہی دل
اپنی خزاں بہار کے موسم سے کم نہیں
درہم کی شکل صورتِ درہم سے کم نہیں
تیزاب میرے زخم پہ مرہم سے کم نہیں

اے ذوق کس کو چشمِ حقارت سے دیکھیے
سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

۲

ہاں تاملِ دمِ ناوک فگنی خوب نہیں
گل پریشاں ہوا ہم نفسی کے چمن میں آخر
بات تو ہم نے بنائی تھی وہاں خوب مگر
ابھی چھاتی مری تیروں سے چھنی خوب نہیں
دیکھ اے غنچہ یہاں خندہ زنی خوب نہیں
تھی جو بگڑی ہوئی قسمت تو بنی خوب نہیں

کون آتش نفس ایسے ذوق چمن سے گزرا
آج جو سرد نسیمِ چمنی خوب نہیں

۳

ہفتاد و دو فریق حسد کے عدو سے ہیں
خورشید وار دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ
اپنا ہی یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں
روشن ضمیر ملتے ہر اک نیک و بد سے ہیں

لہ یہ غزل سنہ ۱۸۵۲ء کے ایک مشاعرہ میں جس کے بانی مرزا خدابخش شہزادہ تھے غیر طرح میں پڑھی تھی بادشاہ ظفر مرحوم بھی اس مشاعرہ میں شریک ہوئے تھے اور ان کی غزل بھی طرح میں لکھی گئی تھی اس لیے استاد ذوق کا دستور تھا کہ جس مشاعرہ میں بادشاہ کی غزل ہوتی تھی اس میں طرح پر اپنی غزل پڑھنا سوئے ادب سمجھتے تھے اس لیے اس مشاعرہ کی طرح پر بھی غزل نہ لکھی تھی بادشاہ ظفر نے طرح کی جو غزل پڑھی اس کا ایک شعر یہ ہی افسوس یہ غزل کلیاتِ ظفر میں موجود نہیں ہے ؎

شاہوں کے مقبروں سے الگ دفن کیجیو   ہم بیکسوں کو گورِ غریباں پسند ہے

اللہ نے انکی دعا سن لی اور سچ مچ انھیں کسی شاہی مقبرہ میں جگہ نہ ملی نہ کابل میں بابر کے پاس مدفن ہوا۔ نہ ہمایوں کے پہلو میں خاک پاک دہلی نصیب ہوئی۔ نہ سکندرہ میں اکبر کا جوار ملا نہ لاہور میں جہانگیر کے قربت حاصل ہوئی۔ آگرہ میں شاہجہانی شان کا مقبرہ تو کجا خلد آباد (دکن) میں عالمگیر کے بے سقف اور خام مزار کے نزدیکی بھی قسمت میں نہ لکھی تھی بیکسی کی موت رنگون میں آئی اور وہیں گورِ غریباں کا گوشہ دبا لیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

وہ مست ہوں کہ رکھتے قدح کش تمنا
بنیادِ میکدہ مری خشتِ لحد سے ہیں

جاں دادگانِ عشق سے پوچھو فنا کی راہ
اس میں جنابِ خضر ابھی نابلد سے ہیں

برہیں خنک دلوں کے ہو گر خرقۂ فقیر
سمجھو کہ کرتے برف کی پوشش نمد سے ہیں

وہ ایک دم کہ جس میں میسر ہو وصلِ یار
بہتر سمجھتے ہم اُسے عمرِ ابد سے ہیں

جتنے مزے ہیں یاں روشِ نشۂ شراب
ہو جاتے بے مزہ ہیں جو بڑھ جاتے حد سے ہیں

دل کے ورق پہ ثبت ہیں صد مہرِ داغِ عشق
ہم کرتے ذوق عشق کا دعویٰ سند سے ہیں

۴

ہے چشم تیری مست۔ قدح گیرِ باغِ حسن
عارض پہ خط ہے طوطیِ تصویرِ باغِ حسن

اے رشکِ باغ طاقِ دو ابرو کا تیری عکس
دریائے آئنہ میں ہے تعمیرِ باغِ حسن

سیرِ خزاں جو چاہے تو اے ذوق دیکھ لے
اُس نازنیں کا جلوۂ تغییرِ باغِ حسن

گئیں یاروں سے وہ اگلی ملاقاتوں کی سب رسمیں
پڑا جس دن سے دل بس میں ترے اور دل کے ہم بس میں

کبھی ملنا۔ کبھی رہنا الگ مانندِ مژگاں کے
تماشا کج سرشتوں کا ہے کچھ اخلاص آپس میں

توقع کیا ہو جینے کی ترے بیمارِ ہجراں کی
نہ جنبش نبض میں جس کے۔ نہ گرمی جس کے ملمس میں

ہوائے کوئے جاناں لے اُڑے اس کو تعجب کیا
تنِ لاغر میں ہے جاں اس طرح۔ جس طرح بو خس میں

مجھے ہو کس طرح قول و قسم کا اعتبار اُن کے
ہزاروں دے چکے وہ قول لاکھوں کھا چکے قسمیں

جو مضمون ذوق دیوانِ دو عالم میں ہوئے ہوں
جو اس خمسہ ہیں انساں کے وہ بندِ مخمس میں

٦
بلائیں آنکھوں سے اُن کی مدام لیتے ہیں
شبِ وصال کے روزِ فراق میں کیا کیا
جھکائے ہی سرِ تسلیم ماہ نو پردہ
ہم اپنے ہاتھوں کا مژگاں سے کام لیتے ہیں
نصیب مجھ سے مرے انتقام لیتے ہیں
غرورِ حسن سے کس کا سلام لیتے ہیں

ہمارے ہاتھ سے اے ذوق وقتِ مے نوشی
ہزار ناز سے وہ ایک جام لیتے ہیں

٧
دودِ دل سے ہی یہ تاریکی مرے غمخانہ میں
میں ہوں وحشتِ کن مدّت سے اس ویرانہ میں
مستی و نا آشنائی وحشت و بیگانگی
ہیں وہ کیفی ہوں کہ پانی ہو تو بن جائے شراب
ہوش کا دعویٰ ہے بیہوشوں کو زیرِ آسماں
پتھروں میں ٹھوکریں کھاتی ہے ناحق سیلِ آب
عشق کیا اے حسن اگر نشو و نما منظور ہو
برقِ خرمن سوز ہے عالم میں نا فہمی تری
کس نزاکت سے ہے دیکھو اتحادِ حسن و عشق
شمع ہے اک سوزنِ گم گشتہ اس کاشانہ میں
برسوں مسجد میں رہا برسوں رہا بتخانہ میں
یا تری آنکھوں میں دیکھی یا ترے دیوانہ میں
جوشِ کیفیت سے میری خاک کے پیمانہ میں
خم نشیں ہیں مثلِ افلاطوں سب اس خمخانہ میں
پوچھو کیا لے جائے گی آکر مرے ویرانہ میں
بہرِ تحلّل شمع ہو خاکسترِ پروانہ میں
ورنہ کیا کیا لہلہاتے کھیت ہیں ہر دانہ میں
زلف واں شانے نے کھینچی درد یاں شانہ میں

ایک پتھر چومنے کو شیخ جی کعبہ گئے
ذوق ہر بت قابلِ بوسہ ہے اس بتخانہ میں

٨
اس گلستانِ جہاں میں کیا گلِ عشرت نہیں
خواہ گردش ہے زمیں کو خواہ پھرتا ہے فلک
بسملِ تیغِ محبت کا لبِ ہر زخمِ دل
سیر کے قابل ہے یہ پر سیر کی فرصت نہیں
پر ہمیں زیرِ فلک سر منزلِ راحت نہیں
ہوتا وا بے شورِ واویلا و واحسرت نہیں

دل وہ کیا جس کو نہیں تیری تمنائے وصال
چشم وہ کیا جس کو تیری دید کی حسرت نہیں

کہتے ہیں ہم جائیں گر چھٹ جائیں غم کے ہاتھ سے
پر ترے غم سے ہمیں مرنے کی بھی فرصت نہیں

خاک ہو کر بھی فلک کے ہاتھ سے ہم کو قرار
ایک ساعت مثلِ ریگِ شیشۂ ساعت نہیں

ایک دل اور اس پہ اتنے بارِ غم اللہ رے دل
اور اس طاقت پہ ایسا کوئی بے طاقت نہیں

ذوق اس صورتکدہ میں ہیں ہزاروں صورتیں
کوئی صورت اپنے صورت گر کی بے صورت نہیں

٩

وقتِ پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

پھر مجھے لے چلا ادھر دیکھو
دلِ خانہ خراب کی باتیں

واعظا چھوڑ ذکرِ نعمتِ خلد
کہہ شراب و کباب کی باتیں

تجھ کو رسوا کریں گی خوب اے دل
تیری یہ اضطراب کی باتیں

جاؤ ہوتا ہے اور بھی خفقان
سن کے ناصح جناب کی باتیں

جامِ مے لب سے تو لگا اپنے
چھوڑ شرم و حجاب کی باتیں

سنتے ہیں اس کو چھیڑ چھیڑ کے ہم
کس مزے سے عتاب کی باتیں

دیکھ اے دل نہ چھیڑ قصۂ زلف
کہ یہ ہیں پیچ و تاب کی باتیں

ذکر کیا جوشِ عشق میں اے ذوق
ہم سے ہوں صبر و تاب کی باتیں

١٠

دنیا سے میں اگر دلِ مضطر کو توڑ دوں
سارے طلسمِ وہمِ مکدر کو توڑ دوں

کیا دشمنی ہے اہلِ کرم سے کہے ہے چرخ
یاں تک جھکاؤں شاخِ ثمرور کو توڑ دوں

ساقی لڑائیوں سے تری چاہتا ہے جی
باہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دوں

احسان ناخدا کے اٹھائے مری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

نازک خیالیاں مری توڑیں عدو کا دل
میں وہ بلا ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں

پھر اس مژہ کو یاد کرے دل تو بول ذوق
نشتر چبھو کے میں سر نشتر کو توڑ دوں

١١
گذرتی عمر ہی یوں دورِ آسمانی میں — کہ جیسے جائے کوئی کشتی دخانی میں
رکاؤ خوب نہیں طبع کی روانی میں — کہ بو فساد کی آتی ہی بند پانی میں
کہانیاں ہیں حکایات خضر و آب بقا — بقا کا ذکر ہی کیا اس جہانِ فانی میں
نہیں خضاب سے مطلب مگر ہیں موے سفید — سیاہ پوش ہوئے ماتم جوانی میں
ہمیشہ ہی مجھے سرمایہ بقا ہی فنا — حباب وار ہوں میں آبِ زندگانی میں

بجز نثار علی شاہ کون جانے ذوق
تری زباں کا مزا تیری شعر خوانی میں

١٢
تو کہے غنچہ کہ اس لب پہ دھری خوب نہیں — چپ کہ منہ چھوٹا سا اور بات بڑی خوب نہیں
سامنے سے مرے ٹلتا نہیں ناصح جب تک — مغز کھاتا مرا دو چار گھڑی خوب نہیں

خوبرویوں سے بہت آنکھ لڑی پر افسوس
قسمت اے ذوق کہیں اپنی لڑی خوب نہیں

١٣
وہ دیکھیں بزم میں پہلے کدھر کو دیکھتے ہیں — محبت آج ترے ہم اثر کو دیکھتے ہیں
ہے اُن کی چشم کی گردش پہ گردشِ عالم — جدھر ہے اُن کی نظر سب اُدھر کو دیکھتے ہیں
پڑیگا سایہ زلف اُس پہ بھی ضرور کبھی — کہ پیچ و تاب تمہاری کمر کو دیکھتے ہیں
نہ پوچھو شغل اسیری میں ہم غریبوں کا — کبھی قفس کو کبھی بال و پر کو دیکھتے ہیں
یہ کس کو دیکھ فلک سے گرا ہے غش کھاکر — پڑا زمیں پہ جو نورِ قمر کو دیکھتے ہیں
سوال جوہرِ آئینہ ہے یہ چشمِ پُرآب — کہ منہ پہ خاک ملے کیوں ہنر کو دیکھتے ہیں
عرق کے قطرے نہیں دیکھتے ہیں اُس رخ پر — ستارے وقت سحر
جہاں کے آئینہ سے وا [illegible]

دکھاؤ تم لبِ میگوں پہ خندۂ نمکیں		کہ یاں تو ساغرِ مے میں شکر کو دیکھتے ہیں

عیارِ نقدِ محبت کا دیکھ سختی پر
لگا کے ذوق کسوٹی پہ زر کو دیکھتے ہیں

مے ملا کر ساقیانِ سامری فن آب میں	١٤	کرتے ہیں جادو سے اپنے آگ روشن آب میں
چشمۂ آئینہ میں کب تر ہوا پائے نگاہ		اس طرح جاتے ہیں دیکھا پاک دامن آب میں
پھرتا ہے سیلِ حوادث سے کوئی مردوں کا منہ		شیر سے بڑھا پھرتا ہے وقتِ غرقِ تن آب میں
صحبتِ اہلِ صفا سے تیرہ دل کب صاف ہوں		زنگ سے آلودہ ہو جاتا ہے آہن آب میں
اب بھی گریہ سے مجھے فرصت نہیں فوارہ وار		گو کہ میں ڈوبا کھڑا ہوں تا بہ گردن آب میں
یوں رہا ہوں زندگی بھر تشنۂ دیدارِ یار		جیسے مستسقی کا دم ہوتا ہے مردن آب میں
شب جو ہم لکھنے کو بیٹھے آنکھ سے اُمڈے سرشک		بہ گیا خط لکھتے لکھتے مشقِ من آب میں

ذوق تو اس بحر میں لایا ہے گلِ مضموں بہا
جا بجا لگ گیا اک پھولوں کا خرمن آب میں

ہووے تو اے مہروش جب تو فگن آب میں	١٥	ہو سراپا عکس تا ہی ماہ روشن آب میں
مردمِ دیدہ ہیں اپنے زندہ آبِ اشک کے		مردمِ آبی ہیں ان کا ہے نشیمن آب میں
بھول مت علم کتابی پر کہ آخر کب تلک		ناؤ کاغذ کی بہے اے طفل کو دن آب میں

غمنامہ اپنا صفحۂ محشر سے کم نہیں	١٦	ہے شورِ الغیاث صریرِ قلم نہیں
جوشِ شگفتگی ہے محبت کا غم نہیں		یہ خونِ خراشِ دل میں تبسم سے کم نہیں
آتش میں آپڑا تو ہے میری طرح سپند		لیکن نکل بھی جائے گا ثابت قدم نہیں

[illegible] شاہ بادشاہ دہلی نے جب اس غزل کی شہرت سنی کہلا بھیجا کہ یہ غزل

یہ دل مجھے ڈبو کے رہے گا کہ سینہ میں
وہ کونسا ہی داغ جو گرداب غم نہیں

ہیں آمد بہار سے بھر لائے منہ میں خوں
یہ زخم دل تبسم غنچہ سے کم نہیں

مشکل ہی میرے عہد محبت کا ٹوٹنا
ای بے وفا یہ تیری خدا کی قسم نہیں

اہل صفا کا دیکھا نہ دامن کسی نے تر
گوہر ہی اپنی آب میں غرق اور نم نہیں

اللہ رے ضبط دل کہ مری بر سر مزار
گیسوئے دود شمع میں بھی پیچ و خم نہیں

ہی میکشوں کے واسطے میخانہ تخت جم
یاں جام مے ہی سامنے گر جام جم نہیں

چمکا یہ آتش دل پروانہ کا ہی رنگ
ای شمع رو عیاں شفق صبح دم نہیں

گر آب دیدہ شربت کوثر بھی ہی تو کیا
جب تک کہ اس میں چاشنئ درد و غم نہیں

جاتا ہی آنکھ بند کیے ذوق تو کہاں ؟
یہ راہ کوئے یار ہے راہ عدم نہیں

چھٹتے ہی جی کیا ملک فنا میں ساتھ بشر کے جھگڑے ہیں
مر کے ادھر سے جب یہ چھٹے تو جا کے ادھر کے جھگڑے ہیں
کیسا مومن کیسا کافر کون ہے صوفی کیسا رند
سارے بشر ہیں بندے حق کے سارے شر کے جھگڑے ہیں
غم کہتا ہی دل میں رہوں میں! جلوۂ جاناں کہتا ہی میں!
کس کو نکالوں کس کو رکھوں! یہ تو گھر کے جھگڑے ہیں
بحر میں موتی پانی پانی- لعل کا دل خوں پتھر میں
دیکھو! لب و دنداں سے تمہارے لعل و گہر کے جھگڑے ہیں

۱ اس غزل کو حکیم احسن اللہ خاں طبیب شاہی نے بادشاہ ظفر کو سنایا بادشاہ کو پسند آگئی بادشاہ نے بہت چاہا کہ استاد حسب معمول اس کو نذر گزرانیں لیکن مشکل یہ تھی کہ خود استاد کو بھی اپنے یہ اشعار دل سے بھلے لگے تھے اس لیے بقول آزاد بادشاہ نے اگرچہ کشش کی مقناطیس بہت لگائی لیکن استاد نے نہ چھوڑی ۱۲

دوست کے گھر میں دشمن ہو جب سنگ ہمارے سینہ پر
دل کا ذکر رہا کیا باقی۔ پھر تو سر کے جھگڑے ہیں

حضرتِ دل کا دیکھنا عالم۔ ہاتھ اُٹھائے دُنیا سے
پاؤں پسارے بیٹھے ہیں اور سر پہ سفر کے جھگڑے ہیں

ذوق مرتب کیونکر ہو دیواں شکوۂ فرصت کس سے کریں
باندھے گلے میں ہم نے اپنے آپ ظفر کے جھگڑے ہیں

استخواں میرا اس تنِ لاغر میں خس کی تیلیاں ۱۸ تیلیاں بھی وہ کہ جو ستر برس کی تیلیاں
گر رگِ گل سے ہوں بلبل کے قفس کی تیلیاں
کانٹے آنکھوں میں چبھو دیں اس کے خس کی تیلیاں
دائرہ رنگِ حنا کا شوق اگر ہو اے پری
تیرے ہاتھوں کی لکیریں ہوں قفس کی تیلیاں
چشمِ گریاں نے اگر کی ابرِ نیساں ساتھ خوب
سبز ہو جائینگی سب بے شک قفس کی تیلیاں
ہو بہے مرغِ دلِ بلبل رگِ گل کا قفس
اس سے نازک اور کیا ہونگی قفس کی تیلیاں
گر ہو اے صیادِ ناداں تجھ کو آرائش کا شوق
مت بنا بلبل کے تاروں سے قفس کی تیلیاں

لہ یہ غزل دلی کے اس نامی مشاعرہ کی یادگار ہے جس کا ذکر آج بھی پرانے لوگوں کی صحبتوں میں کبھی کبھی آجاتا ہے اس مشاعرہ میں شاہ نصیر بھی شریک تھے اور وہ زمانہ تھا جبکہ شاہ نصیر اور ذوق میں ادبی معرکہ آرائیاں ہو رہی تھیں شاہ نصیر کی ایک غیر طرحی غزل کو سنکر جو اسی بحر اسی ردیف قافیہ میں تھی اگلے مشاعرہ کے لیئے یہی طرح قرار دی گئی ذوق نے ایک دو غزلہ لکھا اس میں کچھ گفت و شنود کی نوبت آئی ذوق سے کہا کہ برس دن تک علاوہ طرحی غزل کے اس زمین میں بھی غزل ہوا کرے چنانچہ دو مشاعروں میں ایسا ہوا تیسرے جلسہ میں شاہ نصیر کے طرفدار شعرا نے اُستاد پر کچھ چوٹیں کیں اور شاہ صاحب کے صاحبزادہ شاہ وجیہ الدین منیر نے تو صاف طور پر اس شعر میں جو آج تک مشہور ہے کھلی ہوئی چوٹ کی ہے

گرچہ قندیلِ سخن کو منڈھ لیا تو کیا ہوا
ڈھانچے میں تو ہیں وہی اگلی برس کی تیلیاں

اس منزل پر آکر اس مشاعرہ ہی کا خاتمہ ہو گیا ذوق کی یہ غزل جو دیوان میں شامل ہے اور جس کا یہ انتخاب پیش کیا گیا ہے پہلے مشاعرہ کی غزل ہے اس کے بعد کے جلسوں کی غزلیں معدوم ہو گئیں ۱۲

جو ہیں مرغ تر دماغ اُن کے قفس کے واسطے
چاہئیں صندل کی چوبیں اور خس کی تیلیاں

سلسلہ وابستہ تھا کچھ عالمِ معنی سے ذوق
ورنہ تھیں یہ تیلیاں کب اپنے بس کی تیلیاں

۱۹
آج اُن سے مدّعی کچھ مُدّعا کہنے کو ہیں[1]
پر نہیں معلوم کیا کہویں گے کیا کہنے کو ہیں

ہیں دہانِ غنچوں کے وا کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
شاید اُس کو دیکھ کر صلّ علیٰ کہنے کو ہیں

کہہ دے شبنم سے نہ پھر سیماب گل کے کان میں
بلبلیں حالِ دل کچھ اے صبا کہنے کو ہیں

دیکھیے آئینے بن جاتے ہیں یا عنقا سب
ہیں کہاں اہلِ صفا اہلِ صفا کہنے کو ہیں

دیکھ تو لے پہنچے کس عالم سے کس عالم میں ہیں
نالہائے دل ہمارے نارسا کہنے کو ہیں

ہے جہاں مانندِ مجمر اور ہم مثلِ سپند
اب چلے جائینگے آئے اک صدا کہنے کو ہیں

پوچھو قاتل سے کرے گا قتل آخر کب تلک
اپنی تاریخ آج ہم پیش از قضا کہنے کو ہیں

مٹ گئے جوہر وفا کے اُٹھ گئے سب اہلِ دل
اب وفا ہے نام کو اور باوفا کہنے کو ہیں

ہے صفائے دل وہی جس میں عیاں ہو شکلِ یار
یوں تو آئینوں کے دل بھی باصفا کہنے کو ہیں

کیا تماشا ہے کہ اُن کے کان میں اٹھا ہے درد
ہم جو آئے دردِ دل اپنا ذرا کہنے کو ہیں

دم بلب ہو گیا اُن کے منہ نہیں کھولے ہیں ذوق
ہے یہ پیکِ مرگ پیغامِ قضا کہنے کو ہیں

[1] مُدّعی اور مُدّعا کے الفاظ جو اس غزل میں آئے ہیں اُستاد ذوق کی زندگی کے ایک واقعہ کی جس کا تعلق اُنکے خانگی معاملات سے تھا یاد تازہ کرتے ہیں ذوق نے دہلی میں اپنے پڑوس میں ایک مکان خرید کیا تھا بعض لوگوں نے جن کو اُن کے اس خریداری پر اعتراض تھا عدالت میں مشتری اور بائع پر نالش کر دی ذوق جیسے آزاد منش شعر و سخن کی فکر رکھنے والے شخص کو اس سے گھبراہٹ ہونا لازمی تھی وہ گھبرا کر مولوی فضل حق صاحب سرشتہ دار عدالت کے پاس پہونچے تاکہ زبانی ان کو حالات بتادیں اس خیال سے کہ سرشتہ دار صاحب کو ذوقِ سخن ہے وہ شعر سننے کی فرمائش ضرور کرینگے انھوں نے اس خاص موقعہ کے لیئے یہ غزل لکھی تھی تاکہ تازہ کلام سے اپنے مخاطب کو محظوظ کیا جائے اور اس میں کچھ نہ کچھ اپنے مطلب کی جھلک نمودار ہو جائے چنانچہ مطلع میں اُستاد نے نہایت خوبی سے اپنی اس غرض کو پورا کیا ہے ۱۲

۲۰

گر ترا نور نہیں چشم میں کیا ہی اس میں
دل کو کیا دیکھے گا تو چیر کے کیا ہی اس میں
دہن انداز ہی چاہِ ذقنِ یار میں زلف
تو نکیں توڑ نہ دل کا کہ بڑی کاوش سے
خضر ساقی ہو تو میں جام نہ لوں گر جانوں
اُس جفاکیش کے نامہ کو پڑھوں کیا قاصد
جا بڑا پاؤں پہ قاتل کے تڑپ کر کُشتہ

کہنا فیہِ نظرٌ عین خطا ہے اس میں
اب تو قطرہ بھی نہیں خوں کا رہا ہی اس میں
نہیں معلوم کہ دل کس کا گرا ہی اس میں
اسم کو ہیں نے ترے کندہ کیا ہی اس میں
کہ نہیں جام میں مے آبِ بقا ہی اس میں
جو کہ قسمت کا لکھا تھا سو لکھا ہے اس میں
سرد ہونے پہ بھی گرمیِ وفا ہی اس میں

کیا بگولے کی طرح خاک کا پتلا ای ذوق
اُڑتا پھرتا ہی بھری جیسے ہوا ہی اس میں

۲۱

عنقا کی طرح خلق سے عزلت گزیں ہوں میں
میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں
ہوں طائرِ خیال نہ پر ہیں نہ میرے بال
یا رب کوئی میں کا تارا ہوں یا آسمان کا ہوں

ہوں اس طرح جہاں میں کہ گویا نہیں ہوں میں
میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں
پر اُڑ کے جا پہنچتا کہیں سے کہیں ہوں میں
نام آسماں پہ میرا ہی زیرِ زمیں ہوں میں

۲۲

قصد جب تیری زیارت کا کبھو کرتے ہیں
دل کا یہ حال ہو پھٹ جا ہی سو جاے سے اور
توڑیں اک نالہ سے اس کاسۂ گردوں کو مگر
قدِ دلجو کو تمہارے نہیں دیکھا شاید

چشمِ پُر آب سے آپنے وضو کرتے ہیں
اگر اک جا ہے سے ہم اس کو رفو کرتے ہیں
نوش ہم اس میں کبھی دل کا لہو کرتے ہیں
سرکشی اتنی جو سروِ لبِ جو کرتے ہیں

۲۳

کھتا زبسکہ جیفۂ دُنیا سے ننگ ہوں
ہیں سب سے پہلے میرے اُٹھانے کی فکر میں

پارس بھی ہو تو جانتا مردار سنگ ہو
مخمل میں اُن کی ہیں کسی چوسر کا رنگ ہو

دل بیٹھا تو ضبط ہی اور مجھ کو اضطراب
دل میرا مجھ سے تنگ ہی میں دل سے تنگ ہوں

کہاں ڈھونڈھے کوئی دل کو ہجوم داغ سوزاں میں
ملے کھوج ایک پروانہ کا کیا گنج چراغاں میں
نہ بھولے گی کبھی ہمدم شکایت تشنہ کامی کی
رہے آب اس کے جبتک تیغ خونریز کاں میں
جو لذت آشنائے مرگ ہوتا خضر تو وہ بھی
نہ پیتا آب حیواں ڈوب مرتا آب حیواں میں

غضب کہ تجھ سے ہی کم ایسے شخص ہیں
اور ہم تمہیں پہ مرتے ہیں ہم ایسے شخص ہیں
صاحب دلوں نے کعبۂ دل پر کیا مقام
کب کرتے قصد دیر و حرم ایسے شخص ہیں
دیوانے تیرے دشت میں رکھینگے جب قدم
مجنوں بھی لیگا آکے قدم ایسے شخص ہیں
دیں کیا ہے مال دیجئے ایمان بھی انھیں
زاہد یہ بت خدا کی قسم ایسے شخص ہیں

ہیں[1] بتاں مجھ تو دلربائی میں
بسر ہی پر خودی خدائی میں
ہوکے اک بوسہ پر ترش ابرو
بات کو ڈالنا کھٹائی میں

ذوق ہی ایک رند شاہد باز
اس کو کیا دخل پارسائی میں

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں
خط دیکھ کر وہ آئے بہت پیچ و تاب میں
کیا جانے لکھ دیا انھیں کیا اضطراب میں

بے بادہ غوطگی میں ہوا ذوق جوں بہر
کی توبہ بے وقوف نے ناحق شباب میں

نے رنگ کفک ہوں نہ ترا فندق پا ہوں
ہیں کچھ نہیں لیکن ترے قدموں سے لگا ہوں

[1] بتاں کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ لڑکپن کا کلام ہے اس وقت دلی کی یہی زبان تھی ۱۲

مجنوں نے مجھے سمجھا چراغِ رہِ مقصود وہ مہر تو میں تاب۔ وہ گوہر ہی تو میں آب	۲۸	ہیں نافۂ لیلیٰ کا سراغ کفِ پا ہوں مجھ سے نہ جدا وہ ہی نہ میں اُس سے جدا ہوں
کھائے ہیں ہم نے ترے ناوکِ مژگاں دل میں گھر ہی کر بیٹھا ہمارے غمِ ہجراں دل میں خانۂ دل میں کبھی وہ ہی تو جو خرابات میں ہے	۲۹	اپنے مو تن پہ نہیں جتنے ہیں پیکاں دل میں ہم نے جانا تھا کوئی دن ہی یہ مہماں دل میں فرق پر یہ ہی یہاں منہ پہ ہی اور واں دل میں
تیرا آفت زدہ جن دشتوں میں اڑ جاتے ہیں	۳۰	صبر و طاقت کے وہاں پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں
مر گیا ہوں لیکن وصل سیمتن کے فکر میں	۳۱	چادرِ مہتاب ہو میرے کفن کے فکر میں
اب کے دل لے لوں تو پھر اُس بُتِ قاتل کو نہ دوں چار ٹکڑے کرو دل کے کہ نہیں ہو سکتا	۳۲	جان دوں مال دوں ایمان دوں پر دل کو نہ دوں لب کو دوں رخ کو نہ دوں زلف دوں تل کو نہ دوں
ڈال آبلے اے گرمیِ فغاں منہ میں ہمارا پی کے لہو تیرے تیر کا سوفار	۳۳	کہ چپکا بیٹھ رہوں بھر کے گھنگنیاں منہ میں یہ چپ ہوا ہی کہ گویا نہیں زباں منہ میں
اسیرِ رنج و غم ہوں مریضِ جاں بلب میں ہوں جو نالوں موت نہ دے دردِ ہجر سے مجھ کو نہیں زیبا	۳۴	اور اس پہ اب تلک جیتا ہوں میں کوئی عجب میں ہوں کہ نام عشق لوں اور اس قدر راحت طلب میں ہوں
ہر بُنِ مو سے نکلتے ہیں شرارِ آتشیں	۳۵	بن گیا ہوں میں سراپا اک انارِ آتشیں

واہ رے سوزِ جگر اٹھتے ہیں میری خاک سے		دود گلخن کی طرح اب تک غبارِ آتشیں
سینہ و دل پہ مرے زخمِ جگر ہنستے ہیں ہوتے پابندِ علائق نہیں وارستے ہیں	۳۶	ہنسنے دو چارہ گرو ہنستے ہی گھر بستے ہیں نکہتِ گل کے نکل جانے کو سو رستے ہیں
میں ہوں وہ جگر خوں کہ سما مات بدن سے آ جی میں کہ غنچہ کو کروں تنگ چمن میں	۳۷	جوں اشک عرق بھی نئی رنگ نکالوں پھر یار کا ذکر ہے ہمیں تنگ نکالوں
دنبالہ سے سرمہ کے عیاں ہیں تری آنکھیں	۳۸	کہنہ بیٹھیں نہ کچھ سیف زباں ہیں تری آنکھیں
مرے نالوں سے چپ ہیں مرغ خوش الحان [illegible] میں	۳۹	صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانہ میں
ہوا ہے اور نہ ہووے گا کوئی پیدا فدائی ہے	۴۰	وفا میں کوئی مجھ سا اور ہم سا [illegible]
اسیری عشق کو منظور تھی میری لڑکپن میں	۴۱	بہانہ کر کے منت کا پہنایا طوق گردن میں
ہیں وہ دیوانے کہ جن کو بیڑیاں درکار ہیں	۴۲	ہم اسیر زلف ہیں کافی ہیں دو تار ہیں
کمندیں وہ بھی یوں تو کمند انداز رکھتے ہیں	۴۳	تری زلفوں کے خم کچھ اور ہی انداز رکھتے ہیں
کیا صوفی و کیا میکش قائل مرے دونوں ہیں	۴۴	پر مذہب و مشرب سے غافل مرے دونوں ہیں

مر گئے پر بھی تغافل ہی رہا آنے میں	بے وفا پوچھے ہی کیا دیر ہوئی لیجانے میں
جس جگہ بیٹھے ہیں با دیدۂ نم اُٹھے ہیں	آج کس شخص کا منہ دیکھ کے ہم اُٹھے ہیں
کہنے سننے آنے کو خاطر سے ہماری پرسوں	ہوئے برسوں نہ ہوئی پر وہ تمہاری پرسوں
یہ طوق اس واسطے چھوٹا ہوا قمری کی گردن میں	کہ تھا بلبل کی گردن کا پڑا قمری کی گردن میں
رخصت جو ہو کے ہم سے گئے وہ اپنے گھر ہیں	گھبرا کے پہنچے واں۔ ہم اُن سے پیشتر ہیں
تا ہم گمراہ کہے میں کس طرح ہمراہ ہوں	وہ کہے اللہ ہو اور میں کہوں اللہ ہوں
کٹ گئے اپنے سر کو جو نوکِ سناں پر تاج ہیں	عشق میں وہ کرتے حاصل رُتبۂ معراج ہیں
کما کر اپنا سر نوکِ سناں پر تاج کرتے ہیں	حصول اس طرح عاشق رتبۂ معراج کرتے ہیں
کہتی ہے ماہیٔ بریاں کہ دبیرانِ قضا	داغ دیتے ہیں اُسے جس کو درم دیتے ہیں
آپ آتا ہے عیادت کو نہ تو آتی ہے	یاد میں تیری اجل سے بھی فراموش ہوں میں
سمجھو نہ سہل تم خفقاں کو حکیم جی	حضرت اسے بھی جانیے ہمزادِ جنوں

ردیف واو

دانۂ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو[۱]
آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہم کو

شوق مستی میں ہے گلگشت چمن کا ہم کو
چاہیے جائے عصا گردنِ مینا ہم کو

ہووے گا کشتیِ طوفاں نہ وہ تابوت اپنا
آگیا اپنے اگر مرنے پہ رونا ہم کو

بستگی دل کو ہے کیوں اُس گرہِ زلف کے ساتھ
کیا کہیں کچھ نہیں کھلتا یہ معما ہم کو

ہم وہ مجنوں ہیں کہ گردِ رمِ آہو کی طرح
بھاگے ہے دور ہی سے دیکھ کے صحرا ہم کو

آن پہنچی سرِ گردابِ فنا کشتیِ عمر
ہر نفس بادِ مخالف کا ہے جھونکا ہم کو

ہر قدم پاؤں میں سر رکھتے ہیں خارِ سرِ دشت
اے جنوں تو نے تو کانٹوں میں گھسیٹا ہم کو

کرتے ہوں گو وہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت
پر وہ کچھ ہم سے سنے گا جو کہے گا ہم کو

ایک دم عمرِ طبیعی ہے یہاں مثلِ حباب
فکرِ امروز ہے نَے ہے غمِ فردا ہم کو

دل میں تھے قطرۂ خوں چند سو مانندِ انار
نہ رہے وہ بھی جب الفت نے نچوڑا ہم کو

کر دیا گریہ نے آخر سبک ایسا ہم کو
لے گئے اشک بہا یوں کفِ دریا ہم کو

اس پہ مرتے ہیں کہ کیوں غیر کو تو نے مارا
وہ نصیب اُس کو ہوئی تیغ جو تمنا ہم کو

ہے وہی جنبشِ لبہائے جراحت پسِ قتل
کس لبِ تیغ کے بوسہ کا ہے لپکا ہم کو

ہم وہ ہیں گرم روِ راہِ وفا جوں خورشید
سایہ تک بھاگ گیا چھوڑ کے تنہا ہم کو

خطِ توام سے لکھو گور پہ تاریخِ وفات
کہ رہی وصل کی تا مرگ تمنا ہم کو

دیکھا آخر نہ کہ پھوڑے کی طرح پھوٹ بہے
ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہم کو

---

[۱] یہ جوانی کے زمانہ کی غزل ہے اور اُس مشاعرہ کے لیئے لکھی تھی جو شاہ نصیر مرحوم کے دکن سے تیسری دفعہ دلی آنے پر قایم ہوا تھا ۱۲

۲

ہم سفر ہو نہ سکا کوئی بھی اپنا لیکن
پھرتے ہی آنکھ کے پھیرینگے گلے پر خنجر
گرمیِ تپ سے ہوا سوزِ دروں جو افشا
کھانے پینے کی قسم کھائی ہے تجھ بن ہم نے
نہ اُٹھیں شورِ قیامت سے بھی وہ مست ہیں ہم
ہم تبرک ہیں بس اب کے لے زیارت غول
واہ قسّامِ ازل صدقہ ہم اس قسمت کے
کشتہ ہی ہوتا ہے اکسیر کہ مثلِ سیماب

جادہ پہنچانے گیا تا لبِ دریا ہم کو
ہو چکا آپ کا معلوم ہے ایما ہم کو
آ گیا مارے خجالت کے پسینا ہم کو
ورنہ ہے زہر تو ہر طرح گوارا ہم کو
کہے جب تک کہ نہ تم قم لبِ مینا ہم کو
سر پہ پھرتا ہے لئے آبلۂ پا ہم کو
جامِ عشرت اُسے اور داغِ تمنا ہم کو
کچھ کشندہ سے نہیں خون کا دعویٰ ہم کو

ذوق بازیچۂ طفلاں ہے سراسر یہ زمیں
ساتھ لڑکوں کے پڑا کھیلنا گویا ہم کو

۳

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
ناخن خدا نہ دے تجھے اے پنجۂ جنوں
اُلفت کا گر ہے نخل تو سرسبز ہووے گا
عمرِ رواں کا توسنِ چالاک اس لیئے
اے زاہدِ دو رنگ نہ پیر آپ کو بنا
اس صیدِ مضطرب کو تامل سے ذبح کر
یہ تنگنائے دہر نہیں منزلِ فراغ

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو
دے گا تمام عقل کے بخیے اُدھیڑ تو
سو بار جڑ سے پھینک دے اس کو اکھیڑ تو
تجھ کو دیا کہ جلد کرے پار سے ایڑ تو
مانندِ صبح کاذب ابھی ہے ادھیڑ تو
دامان و آستیں نہ لہو میں لتھیڑ تو
غافل نہ پاؤں حرص کے پھیلا سکیڑ تو

۴

موت ہی سے کچھ علاجِ دردِ فرقت ہو تو ہو
ہو تو ہو آباد کیونکر یہ خراب آباد دل
آگ میں جل مرتا ہے پروانہ سا کرمِ ضعیف

غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہے تو ہو
عشقِ غارتگر اگر دنیا سے غارت ہو تو ہو
آدمی سے کیا نہ ہو - لیکن محبت ہو تو ہو

انتظارِ یار میں جو چشم ہو جائے سفید
مردمک اُس میں کہاں ہو داغِ حسرت ہو تو ہو

دستِ ہمت سے ہی بالا آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

تلخ کامی ہی میں گذری زندگانی عمر بھر
جانِ شیریں کے دبیے سے کچھ حلاوت ہو تو ہو

رات اک پگڑی ہوئی تھی میکدہ میں رہنِ مے
ذوق وہ تیری ہی دستارِ فضیلت ہو تو ہو

تمنا نہیں ہے کہ امداد دل کو تپش کا صلہ ہو کہ فردِ قلق ہو[1]

یہی حق ہے قاتل اگر حق دلادے۔ یہ بسمل ترے پاؤں پر جاں بحق ہو

جو مے نوش وہ شوخ رشکِ قمر ہو۔ تو سرخی نہ کیوں اس کے رخسار پر ہو

غروبِ آفتابِ درخشاں اگر ہو۔ تو کس وجہ پیدا نہ رنگِ شفق ہو

کتابِ محبت میں ای حضرتِ دل بتاؤ کہ تم لیتے کتنا سبق ہو

کہ جب آن کر تم کو دیکھا تو وہ ہی۔ لیے دستِ افسوس کے دو ورق ہو

کرو دونوں آنکھوں کے طبقے یہ روشن۔ کہ ہو جاؤ رشکِ مہِ چار دہ تم

سنا ہے کہ تم نور سے اپنے کرتے۔ منور بہ یک جلوہ چودہ طبق ہو

یہ کشتوں کا اس مانگ کے اک پتا ہے کہ ان تیرہ بختوں کی تربت کوئی

اگر سنگِ موسیٰ کا تعویذ رکھدے تو رکھتے ہی بر درمیاں سے وہ شق ہو

مری زندگی تھی ابھی ای ستمگر۔ مسیحائی جو کرگئی تیری ٹھوکر

کہ ٹھکرایا تو نے تو یہ تھا سمجھ کر۔ نکل جائے جاں کچھ جو باقی رمق ہو

[1] یہ غزل اور اس کے بعد کی غزل ابتدائی مشق کے زمانہ میں لکھی تھی نئے وزن اور نئی بحر میں یہ غزلیں لکھی تھیں اس لیے بعض لوگوں نے اعتراض کیے تھے کہ چونکہ ان بحروں کو اس سے پہلے کسی نے غزل میں استعمال نہیں کیا اس لیے جائز نہیں لیکن جب ذوق نے یہ غزلیں شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کو سنائی گئیں تو انھوں نے بیدل کے کلام کا حوالہ دیا اور اعتراض کو غلط بتایا ۱۲

اگر رشکِ گلشن نہ ہو مجھ سے باہم۔ تو گلشن میں ہو وے یہ وحشت کا عالم
چٹکنا ہو غنچوں کا آوازِ شیون چمن مجھ کو اک شادیِ لق و دق ہو
اگر زخم سینہ سے پہاہا اٹھاؤں۔ تو خورشید محشر کو میں تپ چڑھاؤں
اگر سینۂ داغِ دل کو دکھاؤں۔ تو صبحِ قیامت کا منہ دم بہ فق ہو

یہ بحر و قوافی غزل کی بدل کر نظم اک غزل کر لیا ہے ذوق جس میں
نہ ہو لفظ مغلق نہ تعقیدِ مطلق۔ جو فی الجملہ کچھ ہو تو مضمون ادق ہو

جس ہاتھ میں خاتم لعل کی ہو۔ گر اس میں زلفِ سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دستِ موسیٰ جس میں اخگرِ آتش ہو
اے قاتل حلق پر پڑے۔ اک شعلۂ دل گیر کش ہو
تو روشن حلقہ جیب کا میری۔ مثلِ تنور آتش ہو
ہو تیر اسیہ رو صبحِ ہجراں رخصت مجھ سے وہ مہوش ہو
کیوں کھینچوں آہ کہ خود بھی پنہاں زیرِ دودِ آتش ہو
لبریز شرابِ ناز دکھا تو ساغرِ چشمِ کافر کو
تا زاہد پاک ملوث ہو۔ یا صوفی دم کش میکش ہو
تم دہ دہ زخمِ دل پر میرے کرتے ہو دکھلانے کو
پر پرسش تیغِ ناز سے اپنے دل میں کرتے عش عش ہو
دل نخل میں قد کے جوں ذکریا چھپ کر چشمِ کافر سے
اب آرۂ جنبشِ ابرو سے کیونکر نہ بزیرِ کشاکش ہو
لبیک و اذاں۔ ناقوس و جرس۔ یا قلقلِ مے یا نالۂ نَے
دل کھینچنے کو اے ہم نفسو! کوئی تو نوائے دلکش ہو

بن تیرے گھر کی آرائش جب دشمن جاں ہو عاشق کی
محراب طاق کماں بن جائے۔ دستۂ نرگس ترکش ہو

مانند نمکداں چرخ پہ انجم حق نے بنائے اپنے لیئے
تا ہر لب زخم حسرت بھرا ہجر کی رات نمک پاش ہو

گر کلک آہ کو گردش دوں تو وہ شمع دل سے مرے
طاؤس کلک کا سینہ ابھی۔ جوں سینۂ باز منقش ہو

جب ضعف سے مجھ کو غش آیا تو غش سے وہ کیا کہتا ہو
بس غش نہ کرو ہم جان گئے تم مرنے پہ زد غش ہو

کیا خوں کے دریا جذب کیئے ہیں خاک کوچہ قاتل نے
مدفن کو بھی اس کے سنگ کشش کے ایسی ہی زمین دلکش ہو

بس چھوڑ دو دامن قاتل کا تو ہاتھ بہائے خوں سے اٹھا
جب اپنا بہا خوں پاؤں پہ اس کے دل کیوں اس کا مشوش ہو

کیا رجز کو کر مقطوع و مرفل تم نے غزل یہ لکھی ہے
ذوق اس کی بحر کو سن کر شاداں روح خلیل و اخفش ہے

ہائے صیاد! تو آیا مرے پر کاٹنے کو
میں تو خوش تھا کہ چھری لایا ہے سر کاٹنے کو

وہ شجر ہوں نہ گل و بار نہ سایہ مجھ میں
باغباں نے ہے لگا رکھا مگر کاٹنے کو

شام ہی سے دل بیتاب کا ہے ذوق یہ حال
ہے ابھی رات پڑی چار پہر کاٹنے کو

قالب خاکی انساں کو بنا کر کچا
عشق کی آگ میں ڈالا کہ پکاوے اس کو

آبرو خاک میں دی اس نے ملا اُنکی
مجھ سا ہو آئنہ تو منہ نہ دکھاوے اس کو

منہ ہی کیا شمع کا ہو بزم میں تجھ سے روکش
چٹکیوں میں ابھی گلگیر اڑا دے اس کو

مشتِ خاک اپنی ہم اس کوچہ میں کل پھینک آئے
اب نہ ذوق آپ اٹھے نہ اٹھاوے اس کو

(۹)

[illegible] تماشا ہو
تو شاخِ ہر مژہ سے چشمِ نرگس وار پیدا ہو

نہ ہو شے دشمنِ ایماں مثلِ یارِ زنار سرگنہ
اگرچہ مثلِ حسرت عاشقِ دل ناشکیبا ہو

تجھے کیا چاہیے عقدہ کشا سوزِ محبت میں
گرہ میری سپند آسا مری فریاد سے وا ہو

تصور یوں کبھی غفلت میں آجاتا ہے مرنے کا
کہ جیسے عالمِ رویا میں چشمِ کور بینا ہو

تنگے جلوہ میں مارا ہے نگاہِ ناز و مژگاں کے
بتاؤں کس کو قاتل کس سے میرے خوں کا دعویٰ ہو

نہیں کیا دل کی وسعت یہی ہم اللہ رے وسعت
اگرنہ آسماں ہوں جمع اک خالِ سویدا ہو

اکیلا رہ گیا یاروں سے یوں میں ناتوانی میں
کہیں شاخِ خزاں دیدہ پہ جیسے زرد پتا ہو

جو ذکر اللہ کو ہو ذوق مانع مایۂ عشرت
[illegible] شیشہ جس شیشہ میں صہبا ہو

(۱۰)

سرد مہری سے تری گر خونِ دل یخ بستہ ہو
پھر نہ ٹپکے قطرۂ دل گرچہ نشتر شکستہ ہو

کیونکہ قابو میں فلک کے عاشقِ وارستہ ہو
یہ تو جب ہو گر کماں کے بس میں تیرِ جستہ ہو

ہر قدم پہ ہی خراشیں پائے مجنوں گل فشاں
تاکہ اک اک خارِ صحرا سے جنوں گلدستہ ہو

کیا ہوا داغِ محبت سے ہوا دل سر بمہر
یہ نہیں ممکن کہ میرا رازِ دل سربستہ ہو

کیا نکالے سوزنِ الماس دل سے غم کی پھانس
جتنی یہ کاوش کرے اتنی ہی یہ پیوستہ ہو

منہ سے جو نکلے مزا جب ہو کہ ہووے دلنشیں
آہ موزوں ہے کہ نالہ مصرعۂ برجستہ ہو

جانے کیا بیدرد اندازِ کلامِ دردمند
ذوق میرا ہم سخن گر ہو کوئی دل خستہ ہو

(۱۱)

پتھرا دیا جلوہ نے ترے چشمِ صنم کو
چکرا دیا غمزہ نے ترے طوفِ حرم کو

جب سے کہ لکھا ہے ترا وصفِ رخِ زیبا
چومے ہے قلم لوح کو اور لوح قلم کو

جائے نہ کبھی طبعِ جفا پیشہ سے ہرگز | کس طرح نکالے کوئی شمشیر کے خم کو
خوبی سے نہیں رونقِ بازار کہ یوسف | اس شکل و شمائل پہ بکا چند درم کو
کیا دے گا دم آکر کسی بے دم کو مسیحا | اللہ سلامت رکھے اس تیغ کے دم کو
بد ہو کوئی یا نیک رقم کام ہے اس کا | احوالِ بد و نیک سے کیا کام قلم کو

---

(۱۱)
گر کرے معجز نمائی جلوۂ رخسارِ یار | وہ کفِ آئینہ سے ہو جو یدِ بیضا سے ہو
دشت کو سیراب کر دے آبلہ پائی مری | ہر قدم پر چشمہ جاری چشمِ نقشِ پا سے ہو
تا بکے انداز تصویرِ دل کا میرے اضطراب | چاک بہتر گر رفو تارِ رگِ خار سے ہو

تشنہ کامی گر مری دیوے چکھا شورابِ اشک
ذوق شورِ عطش پیدا لبِ دریا سے ہو

(۱۲)
صفا میں رخ سے تیرے آئینہ کیا خاک ہمسر ہو | نگاہِ چشمِ سرمہ آلود سے بھی جو مکدر ہو
ڈبو دے آشنا کو گر سیاہ دوش اپنی صحبت میں | تو آہن ساتھ کیوں لکڑی کے دریا میں شناور ہو
کیا یہ سوختہ جاں تو نے مجھ کو سرد مہری سے | کہ آہِ سرد میری شمع کافوری سے ہمسر ہو
حرم کو جائے زاہد ہم تو میخانہ کو چلتے ہیں | مبارک اس کو طوفِ کعبہ ہم کو دورِ ساغر ہو
نہ ٹوٹے تیرے ساغر کش حشمت کا کیا ممکن | اگر سو ٹکڑے سنگِ کودکاں سے کاسۂ سر ہو

جو کھوئے آپ کو وہ منزلِ مقصود کو پہنچے
تری گم گشتگی اس راہ میں اے ذوق رہبر ہو

(۱۳)
بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو | زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو
عزیزو اس کو نہ گھڑیال کی صدا سمجھو | یہ عمرِ رفتہ کی اپنی صدائے پا سمجھو
نہ سمجھو وحشت شفا خانۂ جنوں ہے یہ | جو خاک سی بھی پڑے پھانکنی دوا سمجھو
نفس کی آمد و شد ہے نمازِ اہلِ حیات | جو یہ قضا ہو تو اے غافلو قضا سمجھو

دعائیں دیتے ہیں ہم دل سے تیغِ قاتل کو
لبِ جراحتِ دل کو لبِ دعا سمجھو

سمجھ ہی اور تمہاری کہوں میں تم سے کیا
تم اپنے دل میں خدا جانے سن کے کیا سمجھو

تمہیں ہی نام سے کیا کام مثلِ آئینہ
جو روبرو ہو اسے صورت آشنا سمجھو

نہیں ہے کم زرِ خالص سے زردیِ رخسار
تم اپنے عشق کو اے ذوق کیمیا سمجھو

۵ پرِ پروانہ پڑے ہیں شجرِ شمع کے گرد
برگ ریزیِ محبت کا ثمر دیکھتے ہو

لگا کے منہ کو تم آنسو نہیں بہاتے ہو
یہ ہم کو جلوۂ شق القمر دکھاتے ہو

جگر کے آبلے جو پھوڑتے ہو حضرتِ عشق
ہماری چٹکیوں میں ہم کو تم اڑاتے ہو

گلو! یہ کہہ گئی کیا کان میں تمہارے صبا
کہ لوٹے جاتے ہو پھولے نہیں سماتے ہو

ہو کہنے سبزۂ خط کی جو سیر آئے ہیں
نگہ کی تیغ کو کیوں زہر میں بجھاتے ہو

گرچہ ہو تیرا ہو نہاں پردۂ شب میں
جگنوں کو تہِ زلف گرہ گیر دکھا دو

اُس چشم کو ہے ناز بڑا تیرِ نگہ پر
اے حضرتِ دل! آہ کی تاثیر دکھا دو

۵۲ دمِ ذبح تیغِ ادا میں جب تری بہتا آبِ حیات ہو
تو شہیدِ ناز کو کیونکہ پھر نہ حیاتِ بعدِ ممات ہو

۵ یہ غزل اور اس کے بعد کی تین غزلیں ابتدائی مشق کے زمانہ میں بعض شہزادوں کی فرمایش سے ان کے مشغلہ موسیقی کی ضرورت پوری کرنے کی غرض سے لکھی تھیں ۱۲

۵۲ یہ غزل بھی استاد ذوق نے عالمِ طفلی میں لکھی تھی ان کے بیاض میں نہ تھی ایک بوڑھے جاہل شخص کی زبان پر سنکر آزاد نے اس کے اشعار قلمبند کر لیے تھے جس کو استاد نے سن کر اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی اور آزاد سے فرمایا تھا "ہمارے لڑکپن کی غزل ہے کہاں سے ہاتھ آگئی"! یہ غزل دیوانِ ذوق مرتبہ آزاد میں شامل ہے اسی سے لیگئی۔

جو مذاق شعر کو ای پری میں چکھاؤں تیری شکر لبی
قلم انگلیوں میں جو ہی مری ابھی رشکِ شاخِ نبات ہو
جو ہیں کرتے میرے لیئے دعا کہ ہو دامِ عشق سے دل رہا
تو ہی دل یہ کہتا کہ ای خدا انھیں اس جنوں سے نجات ہو
مجھے کہتے سب ہیں کہ صبر کر جو نہیں تو صبر سے درگزر
سرِ حسن و عشق پری میں پر نہ وہ بات ہو نہ یہ بات ہو
سرِ راہ کشتۂ ناز کا وہ مزار ہی نظر آ رہا
پڑھو آج اس پہ بھی فاتحہ چلو داخلِ حسنات ہو
ترا حسن وہ بتِ مہ جبیں کہ ہی صدقہ جس پہ ماہ زمیں
جو دکھائے رخ تو ہو دن وہیں جو چھپائے منہ ابھی رات ہو

جو ہیں مرتے حسنِ صفات میں وہ رہینگے اپنی ہی بات میں
تو فنا ہو ذوق اسی ذات میں کہ جو ذاتِ جملہ صفات ہو

کوسوں کیا تنگیِ زمانے کو | کہ نہیں جائے سر اٹھانے کو
قصدِ کعبہ کا تھا پھرے الٹے | چوم کر اس کے آستانے کو

یہاں تک لاغری ہی اس ترے بیمار کے تن کو | عجب کیا ہی جو سمجھے طوقِ گردن چشمِ سوزن کو
زیادہ ہوتا ہی پیری میں فربہ نفسِ امارہ | یہ بالوں کی سفیدی شیر ہی اس مارِ رہزن کو
کمندِ نام و شہرت کھینچ لاتی ہی عدم سے بھی | لپٹ کر مثلِ طوقِ فاختہ عنقا کی گردن کو

تصور کس طرح بھولے ترا اس چشمِ گریاں کو | نکالے مینہ برستے میں کوئی کیا گھر سے مہماں کو
نکالوں کس طرح سینہ سے اپنے تیرِ جاناں کو | نہ پیکاں دل کو چھوڑے ہی نہ دل چھوڑے ہی پیکاں کو

دیکھا نہ ہم نے زرع دل آرام کو	(۲۲)	عید ہوئی ذوق ولے شام کو
تم مسی مل کر نہ شترفہ سے نکالا منہ کرو	(۲۳)	اور نہیں گر مانتے تو جاؤ کالا منہ کرو
یا تو پاس دوستی تجھ کو بتِ بیباک ہو	(۲۴)	یا مجھی کو موت آجائے کہ قصہ پاک ہو
غیر نے ایسا پڑھایا کچھ مرے محبوب کو	(۲۵)	لاکھ آنکھوں سے پڑھا اُس نے مرے مکتوب کو
پوشاک آبی آپ کو گر دل پسند ہو	(۲۶)	دریا پری حباب کے شیشہ میں بند ہو
جاتے ہیں اب تو کوئے بتِ لالہ فام کو	(۲۷)	اپنا تو بس سلام ہو دارالسلام کو
حق نے تجھکو اک زبان دی اور دیئے ہیں کان دو	(۲۸)	اس کے یہ معنے کہے اک اور سُنے انسان دو
نہ شبنم کو کہو بلبل کے آنسو	(۲۹)	یہ ہنستے ہنستے نکلے گل کے آنسو
جتنا[۱] ہی نمک سب مرے زخموں میں کھپاؤ	(۳۰)	پلکوں سے اُٹھاؤگے نہ ہاتھوں سے گراؤ
ٹک دیکھیو اُس لذت پیکاں کے اثر کو	(۳۱)	جنبش مرے ابتک ہی لب زخم جگر کو

۱ ایک مسئلہ لوگوں میں عام زبان زد ہی کہ نمک کو پھینکنا - یا بے پروائی سے گرانا منع ہی۔ اُستاد کہتے ہیں کہ جتنا نمک ہی سب میرے زخموں میں کھپاؤ۔ گراؤگے تو آنکھوں سے اُٹھانا پڑے گا ۱۲

دریا میں ترے حسن کے پانی ہیں بھنور دو (۳۰) اور اس پہ غضب یہ کہ پڑے اس میں مگر دو

ردیف (ہ)

تیر اُس نے جو کی تیغِ ستم اور زیادہ (۱) مشتاقِ شہادت ہوئے ہم اور زیادہ

سر کٹ کے سرافراز ہیں ہم اور زیادہ — جوں شاخ بڑھے ہو کے قلم اور زیادہ

لذت سے محبت کی ہے ہر زخمِ جگر کو — ذوقِ نمکِ درد و الم اور زیادہ

کیا ہووے گا دو چار قدح سے مجھے ساقی — میں لوں گا ترے سر کی قسم اور زیادہ

گر میری طرح دوش پہ ہو بارِ محبت — ہو پشتِ فلک میں ابھی خم اور زیادہ

اُس زلف کے مارے کی اگر خاک کو چھیڑے — پیدا دمِ افعی میں ہو سم اور زیادہ

ہستیِ تُنک مایہ جو پھُنکے گی اسی طرح — آ پھوڑے گا حبابِ لبِ یم اور زیادہ

آخر مے عشق آنکھوں سے ٹپکائی کسی نے — بھڑکے ہے جو یوں آتشِ غم اور زیادہ

کیا قہر ہے جتنا کہ وہ چاہت سے رُکے ہے — اُتنا ہی اُسے چاہیں ہیں ہم اور زیادہ

یارب یہ مری نبض ہے یا موجِ رمِ برق — کیا ہوگا جو ہوگی تپِ غم اور زیادہ

جو کنجِ قناعت میں ہیں تقدیر پہ شاکر
ہے ذوق برابر اُنھیں کم اور زیادہ

اے ذوق وقتِ نالہ کے رکھ لے جگر پہ ہاتھ (۱) ورنہ جگر کو روئے گا تو دھر کے سر پہ ہاتھ

میں ناتواں ہوں خاک کا پروانے کی غبار — اُٹھتا ہوں رکھ کے دوشِ نسیمِ سحر پہ ہاتھ

جوں پنجۂ شاخ تو نہ جلا انگلیاں طبیب — رکھ رکھ کے نبضِ عاشقِ تفتہ جگر پہ ہاتھ

اے شمع دیکھ بزمِ فنا میں سنبھل کے بیٹھ — مارے گی دم میں صبح ترے تاجِ زر پہ ہاتھ

اے ذوق میں تو بیٹھ گیا دل کو تھام کر
اس ناز سے کھڑے تھے وہ رکھے کمر پہ ہاتھ

روز آفتیں نئی ہیں دلِ پُر محن کے ساتھ
اک زخم تازہ روز ہے زخمِ کہن کے ساتھ

ہے ان کا سادہ پن بھی تو کس پھبن کے ساتھ
سیدھی ہی بات بھی ہو تو اک بانکپن کے ساتھ

دستِ جنوں نہ دے تجھے ناخن خدا کہ تو
ٹکڑے اڑا دے تن کے مرے پیرہن کے ساتھ

پایا دِرا اثر نہ کہیں شب کو آہ نے
سر مارتی پھری ہے سپہرِ کہن کے ساتھ

دوزخ میں بھی پڑیں تو نہ سیدھے ہوں کج سرشت
آتش میں پیچ و خم ہیں رسن کے رسن کے ساتھ

گندم ہے سینہ چاک فراقِ بہشت میں
آدم کو کیا نہ ہوگی محبت وطن کے ساتھ

وحشت تو دیکھو بعدِ فنا بھی ہر اک غبار
باتیں کرے ہے سقفِ سپہرِ کہن کے ساتھ

چشم و دہانِ حرص سے کون غنچہ و گل
بخیہ کا تار اُن کے ہے تارِ کفن کے ساتھ

مشکل ہے ذوق دامِ علائق سے چھوٹنا
جب تک کہ روح کو ہے علاقہ بدن کے ساتھ

مریضِ سوزِ محبت کی دیکھتا گر نبض
تو پھر طبیب کے بھی آبلوں سے پھلتے ہاتھ

کوئی جو کام ہو پیری میں کس طرح ذوق
نہ اب ہیں پاؤں سنبھلتے نہ ہیں سنبھلتے ہاتھ

رقعہ ہے چوری کا اور بھیجا ہے انجان کے ہاتھ
یا الٰہی کہیں پڑ جاوے نہ دربان کے ہاتھ

تو جان ہے ہماری اور جان ہے تو سب کچھ
ایمان کی کہینگے ایمان ہے تو سب کچھ

لے نگاہ مہر سے دل مست بچشمِ قہر دیکھ
گر دیئے سے جو مرے تو دے نہ اُس کو زہر دیکھ

کرُ دعا میرے لیئے شیخ مناجات میں یہ	(٨)	کہ خراب اور زیادہ ہو خرابات ہیں یہ
نگہ وہ تُرک کہ جس کی نہیں جفا کی پناہ	(٩)	اور اس کی آنکھ وہ کافر کہ بس خُدا کی پناہ
زیادہ ہوگا توکّل سے بھی کہیں وزنہ	(١٠)	کہ اس میں آیا تو روزی ہوا اور نہیں تو نہ

ردیف ی

میرے طرزِ نالہ ہاے زار سے	(١)	ٹپکے بلبل کے لہو منقار سے
یوں نگہ نکلے ہی چشمِ یار سے		مست جیسے خانۂ خمّار سے
بے نصیب اُس کے ہیں گر دیدار سے		ہی دو آنکھوں کو نظر کے تار سے
خنجرِ موجِ تبسّم سے ترے		گل چمن میں ہیں جگر افگار سے
وائے قسمت تلخکامی ہو نصیب		ہم کو اُس کے لعلِ شکّر بار سے
کرتا ہی دستِ جنوں جب کشمکش		جی اُلجھتا ہی نفس کے تار سے
یہ بھی اُس نازک بدن کو بار ہو		گر کمر باندھے نظر کے تار سے
نقطۂ خالُ اس کا سودا خیز ہی		پھرتے ہیں اک پاؤں ہم پرکار سے
اپنے دامن کو بچاکر جائیو		برق میرے وادیِ پرخار سے
اُس دہن کا نکتۂ موزوں بھی اک		منتخب ہی مخزنِ اسرار سے
ابر ہی لیکن شفق آلودہ ہی		زلف اُس کی سرخیِ رخسار سے
ناکسوں سے کیا رُکیں وارستگاں		اُلجھے کب دامن صبا کا خار سے
زلف کی قینچی سے دل ڈرتا نہیں		بھوت بھاگے ہی وگرنہ مار سے

بے تمیزوں کی ہے الفت نقصِ نام
لیں ہیں نامِ طفل آدھا پیار سے

دل کو ہر دم عالمِ معنی سے ذوقؔ
ہے خبر آتی نفس کے تار سے

۲

ترے کوچہ کو وہ بیمارِ غم دار الشفا سمجھے
اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے

نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیرِ قضا۔ اس کو پرِ تیرِ قضا سمجھے

غلط فہمی ہماری تھی جو اُن کو آشنا سمجھے
ہم اُن کو دیکھو کیا سمجھے تھے اور وہ ہم کو کیا سمجھے

تجھے اے سنگدل آرام جانِ مبتلا سمجھے
پڑیں پتھر سمجھ پر اپنی ہم سمجھے تو کیا سمجھے

وہ ہم سے خاکساروں کو گر اپنا خاکِ پا سمجھے
ہم اپنی خاکساری اپنے حق میں کیمیا سمجھے

جو کچھ دل پر گزرتی ہے سنائینگے ہم اس بُت کو
خدا جانے کہیں کیا ہم وہ اپنے دل میں کیا سمجھے

حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخموں کا
حسابِ دوستانِ دل اگر وہ دلربا سمجھے

ہنسے ہے زخمِ دل تدبیر پر جرّاح کے کہدو
انھیں ٹانکے نہ سمجھے خندۂ دنداں نما سمجھے

مجھے آتا ہے رشک اُس رندِ مے آشام پر ساقی!
نہ جو دع ما کدر جانے نہ جو خذ ما صفا سمجھے

نہ آیا خاک بھی رستہ سمجھ میں عمرِ رفتہ کا
مگر سب سمجھے تو داغِ معصیت کو نقشِ پا سمجھے

خبر سُنتے ہی قاصد سے ہوئے ہم بے خبر بالکل
تیرے پیغام کو گویا کہ پیغامِ قضا سمجھے

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوقؔ اس کی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

۳

الٰہی چشم کے چشمہ کو اتنا آب تو دے
کہ سر پہ چرخ بھی دکھلائی جوں حباب تو دے

کھلے ہے نازسے گلشن میں غنچۂ نرگس
ذرا دکھا اسے تو چشمِ نیمخواب تو دے

کہاں بجھی ہے تہِ خاک میری آتشِ دل
کہو ہوا سے ہلا دامنِ سحاب تو دے

درِ قبول ہے دربان نہ بند کر درِ یار
دعائے خیر ذرا ہونے مستجاب تو دے

صبا بگولہ بنے کشتگانِ زلف کی خاک
کہ بعد مرگ بھی معلوم پیچ و تاب تو دے

زبانِ خنجرِ قاتل نے کیا کہا تجھ سے
دلِ شہید تو چپ کیوں ہے کچھ جواب تو دے

ہماری آنکھ سے ہم چشم ہوگا کیا دریا
کسی کو بھر کے ذرا کاسۂ حباب تو دے

بلا سے کم نہ ہو گریہ سے میرا سوزِ جگر
بجھا پر اُن کی ذرا آتشِ عتاب تو دے

پہنچ رہو نگا سرِ منزلِ فنا اے ذوق
مثالِ نقشِ قدم کرنے پا تراب تو دے

۴
کب حق پرست زاہد جنت پرست ہے
حوروں پہ مر رہا ہے یہ شہوت پرست ہے

دل صاف ہو تو چاہیے معنیٰ پرست ہو
آئینہ خاک صاف ہے صورت پرست ہے

درویش ہے وہی جو ریاضت میں چست ہو
تارک نہیں فقیر بھی راحت پرست ہے

یہ ذوق مے پرست ہے یا ہے صنم پرست
کچھ ہے بلا سے لیک محبت پرست ہے

۵
اب تو جانِ ناتواں کا ضعف سے یہ حال ہے
لب تلک بھی اس کو آجانا رہِ صد سال ہے

ہم نے جانا تھا کفِ پا میں تمہارے خال ہے
لیکن اب دیکھا سویدائے دلِ پامال ہے

میں وہ مجنوں ہوں کہ میرا کاغذِ تصویر بھی
مثلِ عیدی باعثِ خوشنودیٔ اطفال ہے

جوشِ گریہ کا مرے تم کچھ نہ پوچھو ماجرا
چادرِ آبِ رواں منہ پر مرے رومال ہے

آئے وہ شاید عیادت کو کہ با صد ضعفِ حال
آئی مژگاں پر نظر بھی بہرِ استقبال ہے

دل میں شکلِ یار کب آئے نظر بے اضطراب
دیکھ لو سیماب بن آئینہ بے تمثال ہے

بسکہ ہے نوروز اپنا آفتابِ بادہ سے
دورِ ساغر ہم کو ساقی گردشِ یک سال ہے

روزِ محشر سے کئی دن دیکھنے کو چاہئیں
گر یہی اے ذوق طولِ نامۂ اعمال ہے

موئے[لہ] سرِ مارانِ سیہ کا ایک سراسر لشکر ہے
مانگ جو ہے اک مارِ سفید اس لشکر کا سرِ لشکر ہے

لہ یہ غزل ایک تاریخی واقعہ کی یادگار ہے - عالمِ شباب کا کلام ہے - واقعات کا آئینہ ہے جب بانی ریاست فنک

آبلہ ہائے سینہ جو خیمہ سے دکھائی دیتے ہیں
مزرعِ دل پر میرے پڑا کیا غم کا آ کر لشکر ہے

ہووے دل مظلوم ہمارا کیوں نہ شہیدِ دشتِ بلا
دیپے اس کے شامیوں کا وہ زُلفِ معنبر لشکر ہے

دبویں موذی زحمت کش کو کیونکہ نہ ایذا جمعِ ضعیف
دشمن مارِ زخم رسیدہ مور کا اکثر لشکر ہے

کعبہ تو بہ خدا ہی رکھے آج۔ کہ جوشِ ابر نہیں
ایک اصحابِ الفیل کا سایہ دوش ہوا پر لشکر ہے

میں وہ شاہِ کشورِ غم ہوں یارو جس کے ساتھ سدا
فوجیں اشک کی موجیں ہیں اور رہنا سمندر لشکر ہے

گاہ ہجومِ یاس میں ہے دل۔ گاہ ہجومِ حسرت میں
ہے پہ مردِ سپاہی پیشہ پھرتا لشکر لشکر ہے

خالِ چشمِ جاناں کا مژگاں سے تجمل دیکھو تو
اُترا پشت پہ ماہی کی کیا لیکے سکندر لشکر ہے

ہووے امامِ برحق پیدا ذوق اگر تو دیکھ ابھی ہوتا گرد اسلامیوں کا جوں سبحہ گوہر لشکر ہے

پنڈاروں کا سردار امیر خان جب سرکار انگریزی سے عہد نامہ کرنے ۱۸۱۸ء میں دہلی آیا تو تمام دہلی میں شور مچ گیا کہ پنڈاروں کے سردار آئے ہیں ان کا لشکر شہر کے باہر پڑا ہوا تھا انھیں دنوں مدرسہ غازی الدین خاں میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں اس لشکر کے لوگ بھی شریک ہوئے اُستاد ذوق نے طرحی غزل کے بعد یہ غزل پڑھی جس میں اس لشکر کی طرف اشارہ ہے اس غزل کے ساتویں شعر میں پنڈاروں کے اس حسرت و یاس کی طرف کنایہ ہے جس کا سرکار انگریزی کی طاقت سے مغلوب ہو کر اس عہدنامہ کی پابندی سے اُن میں پیدا ہونا لازمی تھا اس شعر پر سامعین نے دل کھولکر داد دی تھی ۱۲

(۷)

میری خاکستر اُڑی تھی اس سے سب گردوں بنے
اس میں کچھ اخگر بھی باقی تھے سو وہ کوکب بنے

خال ای خورشید رو رُخ پر تمہارے کب بنے
تیرہ روز آ کر اُفق پر سوختہ کوکب بنے

کیوں نہ تعلیم نیاز و ناز ہو یکجا بہم
گر نہ مجنوں آ نکر لیلے کا ہم مکتب بنے

سرمۂ چشم کواکب کیوں بنا ای دود آہ
ایسا کاجل بن کہ جس سے اس کا خال لب بنے

صحبت عیسٰے بنائے کیا گدھے کو آدمی
جس کے جوہر میں ہو نادانی وہ انساں کب بنے

موذیوں کو حق نہ دے آنکھیں کہ تا لاویں بلا
عین حکمت تھی کہ معدوم البصر عقرب بنے

عشق ہے ای ذوق وہ کافر کہ جس کے ہاتھ سے
شیخ صنعا سا مسلماں نذر بدمشرب بنے

(۸)

ہم لطف سیر باغ جہاں خاک اُڑا چلے
شوق وصال دل میں لیے یار کا چلے

غیروں کے ساتھ چھوڑ کے تم نقش پا چلے
کیا خوب پھول گور پہ میری چڑھا چلے

بل بے غرور حسن زمیں پر نہ رکھے پاؤں
مانند آفتاب وہ بے نقش پا چلے

کیا لے چلے گلی سے تری ہم کہ جوں نسیم
آئے تھے سر پہ خاک اُڑانے اُڑا چلے

افسوس ہے کہ سایۂ مرغ ہوا کی طرح
ہم جس کے ساتھ ساتھ چلے وہ جدا چلے

ہو کر سوار توسن عمر رواں پہ آہ
ہم اس سرائے دہر میں کیا آئے کیا چلے

لبریز ہو گیا مرا شاید کہ جام عمر
تم وقت نزع مجھ سے جو ہو کر خفا چلے

سُلجھائیں زلفیں کیا لب دریا پہ آپ نے
ہر موج مثل مار سیہ تم بنا چلے

فکر قناعت اُن کو میسّر ہوئی کہاں
دنیا سے دل میں لیکے جو حرص و ہوا چلے

آلودہ سرمہ سے نہ ہوئی چشم میں نگاہ
دیکھا جہاں سے صاف ہی اہل صفا چلے

اُس روے آتشیں کے تصور میں یاد زلف
ہے کیا غضب کہ آگ لگے اور ہوا چلے

ای ذوق ہے غضب نگہ یار الحفیظ
وہ کیا بچے کہ جس پہ یہ تیر قضا چلے

۹

پاک رکھ اپنا دہاں ذکرِ خدائے پاک سے
کم نہیں ہرگز زباں منہ میں ترِ مسواک سے

جب بنی تیرِ حوادث کی کماں افلاک سے
خاک کا تودہ بنا انساں کی مشتِ خاک سے

جس طرح دیکھے قفس سے باغ کو مرغِ اسیر
جھانکتا ہے دل تجھے یوں سینۂ صد چاک سے

آفتابِ حشر ہے یا رب کہ نکلا گرم گرم
اشکِ خونیں دل جلوں کے دیدۂ نمناک سے

چشم کو بے پردہ ہو کس طرح نظارہ نصیب
کرتا وہ پردہ نشیں پردہ تو ہے ادراک سے

بیت ساقی نامہ کی لکھو کوئی جائے دعا
مے پرستوں کے کفن پر کلکِ چوبِ تاک سے

عیبِ ذاتی کو چھپائے گا نہ حسنِ عارضی
زیب بد اندام کو ہو ذوق کیا پوشاک سے

۱۰

الگ تا ہو نہ کچھ کر مرا ہر تار دامن سے
نہ دامن خار سے چھوٹے نہ چھوٹے خار دامن سے

کیا تو نے کنارہ ہم سے او رہا تھوں سے وحشت کے
گریباں ہم کنار آ کر ہوا ہے یار دامن سے

وہی زیبا ہے اُس کے واسطے جو قطع ہے اُس پر
نکل سکتا ہے کوئی آستیں کا کار دامن سے

اب ان کو شش جہت میں ہفت دریا لوگ کہتے ہیں
گرے تھے اشک کے قطرے مرے دو چار دامن سے

ترے مجنوں کو ہے وہ جامۂ عریانی تنی زیبا
کہ جس کو آستیں سے ننگ ہے اور عار دامن سے

مرادہ گریۂ غم خندۂ عشرت سے بہتر ہو
اگر آنسو مرے پونچھے وہ گل رخسار دامن سے

میں وہ آلودہ دامن ہوں بنائیں تارِ سبحہ کا
فرشتے پاک دامن لیکے میرے تار دامن سے

نہ ہو گی دل جلوں کی ذوق ہمسایوں سے دلداری
کہ کب فانوس پونچھے شمع کا رخسار دامن سے

۱۱

بدنصیبی سے مری اس بام پر ٹوٹی کمند
ورنہ میں کیا وہ نہ ٹوٹے مجھ سے دس کے بوجھ سے

مت لگا اے عشق دل کے آبلہ پر نقشِ غم
ٹوٹ جائے گا یہ گنبد اس کلس کے بوجھ سے

زندہ تو ڈوبے ہے اور تیرے ہے مردہ آب میں
بوجھ تنا ہے جسم کا کم ہے نفس کے بوجھ سے

کیا ہوا دل نے لیا گر ایک کوہِ غم اٹھا
یہ نہیں اے ذوق دبتا ایسے دس کے بوجھ سے

١٢ سر بوقتِ ذبح اپنا۔ اُس کے زیرِ پائے ہے — یہ نصیب اللہ اکبر۔ لوٹنے کی جائے ہے
رخصت ای زنداں! جنوں زنجیرِ در کھڑکائے ہے — مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے
واہ واشورِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک — استخواں میرے ہما کس مزہ سے کھائے ہے
دم کی ہی سینہ میں آکر ضعف سے یہ گفتگو — دیکھئے لب تک خدا کس طرح سے پہنچائے ہے
بس کرم۔ سوزِ دروں بھن جائینگے دل اور جگر — رحم جوشِ گریہ۔ چھاتی پھر ابھی بھر آئے ہے
بل بے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گئے — اُف رے بیتابی۔ کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہے

نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار
جانبِ در دیکھ لے ہے جبکہ ہوش آجائے ہے

١٣ زخمی ہوں ترے ناوکِ دزدیدہ نظر سے — جانے کا نہیں چور مرے زخمِ جگر سے
لبریزِ مئے صاف سے ہو جامِ بلوریں — زمزم سے ہے مطلب۔ نہ صفا سے نہ حجر سے
سرمایۂ اُمید ہے کیا پاس ہمارے — ایک آہ ہے سینہ میں سو نومید اثر سے
وہ خُلق سے پیش آتے ہیں جو فیض رساں ہیں — ہیں شاخِ ثمر دار میں گل پہلے ثمر سے
کچھ رحمتِ باری سے نہیں دور کہ ساقی — روویں جو ذرا مست تو مے ابر سے برسے
کھلتا نہیں دل۔ بند ہی رہتا ہے ہمیشہ — کیا جانے کہ آجاتا ہے تو اُس میں کدھر سے

ای ذوق رہِ عشق میں ہے خضر و مسیحا
ہمدم جو نکل آئے کوئی گردِ سفر سے

١٤ قاصد تو کب آتا ہے۔ پر پیکِ اجل نے بھی — یاں آنے میں یا قسمت۔ کیا دیر لگائی ہے
کس فکر میں ہے ساقی دے بادہ جو ہے باقی — تھوڑی ہی ہے یہاں فرصت۔ کیا دیر لگائی ہے
بے بادہ گلستاں میں۔ پیتے ہیں لہو میکش — ساقی نے دمِ عشرت۔ کیا دیر لگائی ہے

١٥ خوب رو کا شکایتوں سے مجھے — تو نے مارا عنایتوں سے مجھے

بات قسمت کی ہی کہ لکھتے ہیں	خط وہ کن کن کنایتوں سے مجھے
واجب القتل اُس نے ٹھہرایا	آیتوں سے۔ روایتوں سے مجھے
حال "مہر و وفا"[۵] کہوں تو کہیں	نہیں شوق ان حکایتوں سے مجھے
کہہ دو اشکاوں سے کیوں ہو کرتے کمی	شوق کم ہی کفایتوں سے مجھے

لے گئی عشق کی ہدایت ذوق
اُس سرے سب نہایتوں سے مجھے

الٰہی کس بے گنہ کو مارا سمجھ کے قاتل[(۱۶)] نے کُشتنی ہی
کہ آج کوچہ میں اُس کے شورِ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْنِی ہی
غمِ جدائی میں تیری ظالم۔ کہوں میں کیا۔ مجھ پہ کیا بنی ہی
جگر گدازی ہی سینہ کاوی ہی۔ دل خراشی ہی۔ جانکنی ہی
زمیں پہ ذرّے کہ گرتے ہیں صاف اظہارِ روشنی ہی
کہ ہیں جو روشن ضمیر اُن کا فروغ اُن کی فروتنی ہی
بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا۔ یہ اُس کی فروتنی ہی
وگرنہ قندیلِ عرش میں بھی اُسی کے جلوہ کی روشنی ہی
ہوئے ہیں تر گریۂ ندامت سے اس قدر آستین و دامن
کہ میری تر دامنی کے آگے عرق عرق پاک دامنی ہی
ہوئے ہیں اس اپنی سادگی سے۔ ہم آشنا جنگ و آشتی سے
اگرچہ ہی یہ تو پھر کسی سے۔ نہ دوستی ہی نہ دشمنی ہی
لگا نہ اس بت کدہ میں تو دل۔ یہ ہی طلسمِ شکست غافل
کہ کیسا ہی کوئی خوش شمائل صنم ہی آخر شکستنی ہی

[۵] یہ فارسی کی ایک کتاب کا نام ہی جو زمانہ قدیم میں زلیخا۔ بوستاں وغیرہ کی طرح درس میں داخل تھی ۱۲

نہیں ہے قانع کو خواہشِ زر۔ وہ مفلسی میں بھی ہے تونگر
جہاں میں مانندِ کیمیاگر۔ ہمیشہ محتاج دل غنی ہے
کوئی ہے کافر۔ کوئی مسلماں۔ جدا ہر اک کی ہے راہِ ایماں
جو اس کے نزدیک رہبری ہے۔ وہ اس کے نزدیک رہزنی ہے
تکلفِ منزلِ محبت نہ کر چلا چل تو بے تکلف
کہ جا بجا خارزارِ وحشت سے بچھ رہا فرشِ سوزنی ہے

خدنگِ مژگاں سے ذوق اس کے دل اپنا سینہ سپر ہے جب سے
مثالِ آئینہ سخت جانی سے سینہ دیوارِ آہنی ہے

۱۷
شعلہ بھڑکے گا کیا بھلا سرِ بزم / شمع تجھ بن ہوا سے لڑتی ہے
شورِ قلقل یہ کیوں ہے دخترِ رز / کیا کسی آشنا سے لڑتی ہے
ترے بیمار کے سرِ بالیں / موت کیا کیا شفا سے لڑتی ہے

ذوق دنیا ہے مکر کا میداں
نگہ اس کی دغا سے لڑتی ہے

۱۸
دل کی معاش غم اسے غم کی تلاش ہے / ڈرتا ہوں دل سے میں یہ بڑا بدمعاش ہے
ہوتی وبالِ دوش نہیں عاشقوں کی خاک / اڑ جاتی ٹھوکروں میں تری اُن کی لاش ہے
لبریز صد نشاط ہے مثلِ ہلالِ عید / سینے میں وہ جو ناخنِ غم کی خراش ہے
کرتے یہ اشک و آہ ہیں تکلیف کیوں عبث / ہو جاتا رازِ دل تو نگاہوں میں فاش ہے
کیا شاد کو خفیف ہے کرتی زبانِ خلق / شاباش جس کو کہتے ہیں وہ شاد باش ہے
دنیا سے بھی اُٹھے تو نہ بستر سے اُٹھ سکے / تیرا مریضِ عشق جو صاحب فراش ہے
ہے کس مزے سے عشق میں اپنی ہوئی بسر / افسوس لب پہ ہے نہ کبھی دل میں کاوش ہے
مسکن پذیر آج سے دل میں نہیں ہے غم / روزِ ازل سے اس کی یہیں بود و باش ہے

ای ذوق جانتا ہی وہ ہمدرد میرا درد
دل جس کا پارہ پارہ جگر پاش پاش ہی

۱۹ مژگاں سے تیری لاگ ہی دل پر لگی ہوئی
اک پھانس ہی کلیجے کے اندر لگی ہوئی

بیٹھے بھرے ہوئے ہیں خمِ مے کی طرح ہم
پر کیا کریں کہ مہر ہی منہ پر لگی ہوئی

میت کو غسل دیجو نہ اس خاکسار کی
ہی تن کو خاکِ کوچۂ دلبر لگی ہوئی

میرا گلِ امید شگفتہ ہو کس طرح
دل کی گرہ ہی اس کی گرہ پر لگی ہوئی

کرتی ہی زیرِ برقعِ فانوس تاک جھانک
پروانہ سے ہی شمع مقرر لگی ہوئی

یہ چاہتا ہی شوق کہ قاصد بجائے مہر
آنکھ اپنی ہو لفافۂ خط پر لگی ہوئی

منہ سے لگا ہوا ہی اگر جامِ مے تو کیا
ہی دل سے یادِ ساقیِ کوثر لگی ہوئی

ای ذوق اتنا دخترِ رز کو نہ منہ لگا
چھٹتی نہیں ہی منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

۲۰ مجھ سے کچھ پوچھو نہ خوننابۂ حسرت کے مزے
زہر کے گھونٹ ہیں رکھتے ہیں شربت کے مزے

بے محبت نہیں ای ذوق شکایت کے مزے
بے شکایت نہیں ای ذوق محبت کے مزے

سجدہ میں پائے خمِ مے پہ ہیں کس لطف سے مست
یوں عبادت ہو تو زاہد ہیں عبادت کے مزے

جانِ شیریں بھی گئی اور نہ ملی شیریں بھی
پوچھو فرہاد سے اس تلخیِ حسرت کے مزے

خنجرِ ناز نے کیا چاٹ لگائی دل کو
چاٹتا ہونٹ ہی لے لیکے جراحت کے مزے

پھر پھٹا زخم کا انگور مبارک ای ذوق
دلِ زخمی کو ترے بادۂ حسرت کے مزے

۲۱ اول ہی سے بشر کو ہی رغبت خلاف سے
لیتا تھا کام منہ کا شکم میں یہ ناف سے

چل میکدہ میں شیخ بسر کر مہِ صیام
مسجد میں تنگ بیٹھا ہی کیوں اعتکاف سے

نالوں نے دی چڑھا جو تپِ لرزہ مہر کو
کھولی نہ آنکھ ابرِ سیہ کے لحاف سے

گردش ہی اس کی چشم کی یوں میرے دل کے گرد
کافر کو کام کعبہ کے ہی کیا طواف سے

لکھتا ہی شیخ مسئلۂ وحدت وجود
لیکن دوئی عیاں ہی قلم کے شگاف سے

گلہائے رنگ رنگ سے ہی رونقِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہی زیب اختلاف سے

۲۲ ۱؎ کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
اُن کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے

ساقیا ہوں جو صبوحی کی نہ عادت والے
صبحِ محشر کو بھی اُٹھیں نہ ترے متوالے

رہے جوں شیشۂ ساعت وہ مکدر دونو
کبھی مل بھی گئے دو دل جو کدورت والے

حرص کے پھیلتے ہیں پاؤں بقدرِ وسعت
تنگ ہی رہتے ہیں دنیا میں فراغت والے

نہیں جز شمع مجاور مرے بالینِ مزار
نہیں جز کثرتِ پروانہ زیارت والے

کیا تماشا ہی کہ مثلِ مہِ نو دیکے فروغ
خود نمائی کو ہیں چمکا رہے شہرت والے

کبھی افسوس ہی آتا کبھی رونا آتا
دلِ بیمار کے ہیں دو ہی عیادت والے

ناز ہی گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

۲۳ ۲؎ نکلے ہی سدا کوہ سے ہم آتش و ہم آب
کیا سوز و گدازِ دلِ فرہاد غضب ہی

خاکسترِ پروانہ پہ رونی ہی بجا شمع
ہو خاکِ جگر سوختہ برباد غضب ہی

ہوتا ہی سپند ایک ہی آواز میں آخر
کیا سوختہ جانوں کی بھی فریاد غضب ہی

۱؎ یہ غزل ۱۸۵۰ء کی مصنفہ ہی مرزا خدا بخش شہزادہ کے یہاں جو مشاعرہ ہوا تھا اس کی طرح میں لکھی تھی

۲؎ مرزا نور الدین اور مرزا حیدر شکوہ جو مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم بادشاہ کے پوتے تھے اور لکھنؤ میں رہتے تھے جب سنہ ۱۸۵۱ء میں لکھنؤ سے دہلی آئے اور بادشاہ ظفر کی فرمائش سے مشاعرہ قایم کیا تو اُستاد ذوق سے راہ و رسم ہو گئی انھیں کے مشاعرہ کے لیئے یہ غزل لکھی تھی ۱۲

توڑا کمرِ شاخ کو کثرت نے ثمر کی ہی سرو تو پابند غم بے ثمری میں	دُنیا میں گرانباری اولاد غضب ہی کہتے ہیں گرفتار کو آزاد غضب ہی

یہ خانہ ہستی ہی عجب خانہ رنگیں
ای ذوق مگر سستی بنیاد غضب ہی

ہوئے وہ کب قائل قیامت۔ جو تیرا قامت نہ دیکھ لینگے
رہینگے رو بینت کے بلکہ منکر۔ جو تیری صورت نہ دیکھ لینگے

ہمیں غرض کیا کہ جائینگے ہم۔ حرم کو ای شیخ بتکدہ سے
یہیں بتوں میں خدا کا اپنے۔ ظہورِ قدرت نہ دیکھ لینگے

نہ دیکھی کیسی کیسی آفت۔ جہاں میں ہم نے تمہارے باعث
اور آگے کیا کیا غم و الم ہی تمہاری دولت نہ دیکھ لینگے

دکھا نہ احوال اُن کو اپنا۔ یہ اُن کی الفت کا امتحاں ہی
کہ ہوگی الفت تو دیکھ لینگے۔ نہ ہوگی الفت نہ دیکھ لینگے

کہوں یہ کیوں میں کہ حضرت دل شکر لبوں پر نہ زہر کھاؤ
کہ آپ ہی تلخی محبت کی وہ حلاوت نہ دیکھ لینگے

بلا سے گر دانیال کا سا۔ نہیں ہی پاس اپنے فال نامہ
ہم اپنے نقطوں سے داغ دل ہی کے فال دولت نہ دیکھ لینگے

اگرچہ وہ حسبت اپنا کہنا نہیں نٹ زباں سے اپنی
وہ میری صورت نہ دیکھ لینگے۔ وہ میری حالت نہ دیکھ لینگے

ہلال کو وہ بھیں کیوں فلک پر۔ اگر ہی منظور عید ہم کو
تو اُس کے تیغ ستم کا دل میں۔ لب جراحت نہ دیکھ لینگے

بہارِ باراں کو کون دیکھے۔ بغیر یاراں ہی تیر باراں
ہم اس کے بدلے سرشکِ مژگاں کی اپنے شدت نہ دیکھ لینگے

گذر بھی جاؤں گر اپنے جی سے۔ کہیں گے جتنا ہی جی چرایا
وہ جب تلک اپنے آستانے پہ میری تربت نہ دیکھ لینگے

مجھے یقیں ہی نہیں دکھائینگے اپنے رخسارِ لالہ گوں کو
رواں مری چشمِ تر سے جبتک وہ خونِ حسرت نہ دیکھ لینگے

تپِ محبت کا میرے دل کی یقیں نہ آئے گا ہرگز ان کو
طپاں وہ رگ رگ میں میری جبتک کہ برقِ سرعت نہ دیکھ لینگے

خط اُن کو دے بھی دیا جو قاصد نے ذوق دے کر کسی کو دھوکا
وہ خط نہ پہچان لینگے میرا۔ مری عبارت نہ دیکھ لینگے

پھر تم نہ کہیں حضرت عیسے اگر اُن سے	۲۵	کہئے۔ کہ یہ تم عشق کے ماروں سے تو کہئے

کہئے نہ تنک ظرف سے اے ذوق کبھی راز
کہکر اُسے سُننا ہو ہزاروں سے۔ تو کہئے

یہ اقامت ہمیں پیغامِ سفر دیتی ہی	۲۶	زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہی
زالِ دنیا ہی عجب طرح کی علامۂ دہر		مردِ دیندار کو بھی دہریہ کر دیتی ہی
تیرہ بختی مری کرتی ہی پریشاں مجھ کو		تہمت اُس زلف سیہ فام پہ دھر دیتی ہی
شمع گھبرا نہ تپ غم سے کہ اک دم میں ابھی		آکے کافور سفیدیِ سحر دیتی ہی
فائدہ دے ترے بیمار کو کیا خاک دوا		اب تو اکسیر بھی دیجے تو ضرر دیتی ہی
غنچہ ہنستا ترے آگے ہی جو گستاخی سے		چٹخنا منہ پہ وہیں بادِ سحر دیتی ہی
شمع بھی کم نہیں کچھ عشق میں پروانہ سے		جان دیتا ہی اگر وہ تو یہ سر دیتی ہی
کہتے سُنتے نہیں کچھ ہم تو شبِ ہجر میں پہ		نالۂ دل کا جواب آہِ جگر دیتی ہی

کوئی غمّاز نہیں میری طرف سے ای ذوق
کان اس کے مری فریاد ہی بھر دیتی ہی

۲۷
مزا تھا ہم کو جو بلبل سے دو بدو کرتے — کہ گل تمہاری بہاروں میں آرزو کرتے
مرے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے — مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
غرض تھی کیا ترے تیروں کو آبِ پیکاں سے — مگر زیارتِ دل کیونکہ بے وضو کرتے
اگر یہ جانتے چُن چُن کے ہم کو توڑینگے — تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے
سمجھیو دار و رسن تار و سوزن ای منصور — کہ چاک پردہ حقیقت کا ہیں رفو کرتے
عجب نہ تھا کہ زمانہ کے انقلاب سے ہم — تیمّم آب سے اور خاک سے وضو کرتے

سراغِ عمرِ گزشتہ کا لیجئے گر ذوق
تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

۲۸
دروازہ میکدہ کا نہ کر بند محتسب — ظالم خدا سے ڈر کہ درِ توبہ باز ہی
خنجر کہیں نہ یار کا بہ جائے ہوکے آب — میرے گلے میں نالۂ آہن گداز ہی
اُس بُت پہ گر خدا بھی ہو عاشق تو آئے رشک — ہرچند جانتا ہوں کہ وہ پاک باز ہی
ہر برگِ گل کے لب سے ٹپکتا ہی خوں پڑا — گلشن میں کس کی خاکِ شہیدانِ ناز ہی

ای ذوق کیوں نہ سب پہ کھلے تیرا رازِ عشق
جو نالہ ہی کلیدِ درِ گنجِ راز ہی

۲۹
ساقیا عیب ہی لا بادے سے مینا بھرکے — کہ پیاسے ہیں مے آشام مہینہ بھر کے
روز اس گلشنِ رخسار سے لیجاتے ہیں — اپنے دامانِ نظر مردمِ بینا بھر کے
دل ہی آئینہ صفا چاہیئے رکھنا اس کا — زنگ سے بھرتا ہی کیوں اس میں تو کینہ بھر کے
خمِ پرجوش کی مانند چھلکتا ہی پڑا — خونِ حسرت سے لبوں تک مرا سینہ بھر کے
جام خالی بھی لگا منہ سے نہ کم ظرف کے ساتھ — ذوق کے ساتھ قدح ذوق سے پینا بھر کے

۳۰
عدوئے نیش زن کے گھر سے کب وہ مہ جبیں نکلے — الٰہی برجِ عقرب سے قمر جلدی کہیں نکلے
چھٹے کیا ہم سے شوقِ حسنِ گندم گوں کہ گندم پر — ہمارے جدِ امجد چھوڑ کر خلدِ بریں نکلے
ترے انداز سے سو سو طرح کے ناز ہوں پیدا — ترے ہر ناز پر سو سو کا دم اے نازنیں نکلے
پرے جا کر نئی دنیا سے بھی گر دیکھو دنیا میں — تو خالی خاکِ آدم سے نہ چپا بھر زمیں نکلے
خدا دے دوربینی اور اس چشمِ تصور کو — کہ لاکھوں کام اس سے دور کے بے دوربیں نکلے
زیادہ جان کے جانے سے غم ہے تیرے جانے کا — الٰہی جانے سے پہلے مری جانِ حزیں نکلے
نہ ہو غربت میں گر قدرِ صفا پاکیزہ گوہر کی — تو کیوں دریا سے یکتا ہو کے پھر دُرِّ ثمیں نکلے
تباہی میں ہے موذی کی حلاوت اہلِ عالم کی — کہ ویراں خانۂ زنبور ہو جب انگبیں نکلے

سنا کرتے تھے شہرہ ذوق جن کی پارسائی کا
وہ سب یارِ خرابات اپنے نکلے ہمنشیں نکلے

۳۱
غنچے تری غنچہ دہنی کو نہیں پاتے — ہنستے تو ہیں پر تیری ہنسی کو نہیں پاتے
وہ کونسی شے ہے جسے پاتے نہیں دل میں — لیکن نہیں پاتے تو خوشی کو نہیں پاتے
میں ایسا ہوا گم کہ عزیزانِ عدم بھی — گم ہو کے مری گمشدگی کو نہیں پاتے
وہ دن ہیں کہاں بہتے تھے جو چشم سے چشمے — اب نم کو بھی ان میں نمی کو نہیں پاتے

معلوم نہیں اس کے دہن ہے کہ نہیں ہے
اے ذوق ہم اس سرِّ خفی کو نہیں پاتے

۳۲
نبضِ بملی ہے کہاں میری فلاطوں چلتی — ہے ضعیف اب تو کہ چونٹی بھی نہیں یوں چلتی
کھولدو آنکھوں سے پٹی نہیں دیکھوں گا تمھیں — پر چھری اپنی تو گردن پہ میں دیکھوں چلتی
جب میں دنیا سے چلا۔ سر پہ یہ بولی حسرت — تو اکیلا نہیں میں ساتھ ترے ہوں چلتی
میں تو ان آنکھوں کی گردش کی بلا گرداں ہوں — کہ نہیں تیری جہاں گردشِ گردوں چلتی
عمر ہے کر رہی ہر دم سفرِ بحرِ فنا — جس کو تو سانس کہے ہے یہ دلِ محزوں چلتی

سمجھے ہیں اک بکشتی کہ ہے ساحل چلتا ‖ پر حقیقت میں ہے کشتی سرِ جیحوں چلتی

ذوقؔ گل اور کوئی تازہ دکھلا چاہتا ہے
کہ ہوا باغِ جہاں میں ہے دگرگوں چلتی

٣٣

خط[١] بڑھا، کاکل بھی بڑھی، زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے ‖ حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے
بعد رنجش کے گلے ملتے ہوئے رکتا ہے دل ‖ اب مناسب ہے یہی کچھ میں بڑھوں کچھ تو بڑھے

٣٤

ثبات کب ہے زمانہ کے عز و شاں کے لیے ‖ کہ ساتھ اوج کے پستی ہے آسماں کے لیے
جو سنگِ کعبہ کے بوسہ میں حج کعبہ ہے شیخ ‖ تو بوسے ہم نے بھی اس سنگِ آستاں لیے
نہ دینا ہاتھ سے تم راستی کہ عالم میں ‖ عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کے لیے
نگاہِ ناز نے کی دیر ورنہ میں تیار ‖ ہوں کب سے بیٹھا ہوا مرگِ ناگہاں کے لیے
الٰہی کان میں ہے کیا صنم نے پھونک دیا ‖ کہ ہاتھ[٢] رکھتے ہیں کانوں پہ سب اذاں کے لیے
اُمید ہو گئی ہمسایہ ورنہ خانۂ یاس ‖ بہشت تھا ہمیں آرامِ جاوداں کے لیے
چلے ہیں دیر کو مدت میں خانقاہ سے ہم ‖ شکستِ توبہ لیے ارمغاں مغاں کے لیے
وبالِ دوش ہے اس ناتواں کو سر لیکن ‖ لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لیے
اشارہ چشم کا تیری یکایک اے قاتل ‖ ہوا بہانہ مری مرگِ ناگہاں کے لیے

بنایا ذوقؔ جو انساں کو اُس نے جزوِ ضعیف
تو اُس ضعیف سے کُل کام دو جہاں کے لیے

---

[١] یہ دو شعر ۱۸۳۵ء کی تصنیف ہیں اور اُس مشاعرہ میں جو نواب اصغر علی خاں نے بعض خوانین رام پور کے دہلی آنے پر ان کی ضیافتِ طبع کے لیے منعقد کیا تھا مرزا خاں کے اصرار سے سُنائے تھے ۱۲

[٢] کانوں پر ہاتھ رکھنا۔ انکار کرنا، مُنکر جانا۔ کان میں کچھ پھونکنا۔ کسی کو اندر ہی اندر بہکا دینا ۱۲

۳۵

جو دل[لہ] قمار خانہ میں بت سے لگا چکے — وہ کعبتین چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

زہر آب یا شراب یہاں سب ہی نوش جاں — ساقی پیالہ منہ سے ہم اب تو لگا چکے

اچھا کیا وفا کے عوض تم نے کی جفا — جانے دو تم بھی اب کہ کیا اپنا پا چکے

لے دل زمیں کا بوجھ ہے یا آسماں کا بار — ہیں اب تو سر پہ بارِ محبت اُٹھا چکے

مدت سے موت و زیست پڑے ہیں گلے کا ہار — تیغِ نگہ تری کہیں قصہ چکا چکے

باز آیا دیکھنے سے نہ آتش رخوں کے دل — سو بار آبلے اسے آنکھیں دکھا چکے

حاجت نہیں ہے تیرے شہیدوں کو غسل کی — ہیں تیغ آبدار سے خوں میں نہا چکے

ہو معرکے میں عشق کے قاضی نہ کیونکہ موت — جھگڑا یہ وہ نہیں ہے کہ جو بے قضا چکے

تم بھول کر بھی یاد نہیں کرتے ہو کبھی — ہم تو تمہاری یاد میں سب کچھ بھلا چکے

مسجد میں بیٹھے کیا ہو چلو میکدہ کو ذوق
اُٹھو کہیں۔ وظیفہ بہت بڑ بڑا چکے

۳۶

چپکے چپکے غم کا کھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے — جی ہی جی میں تلملانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

ذکرِ حسنِ شمع لانا کوئی ہم سے سیکھ جائے — اُن کو در پردہ جلانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

لہ اس غزل کے مطلع کی وجہ تصنیف معلوم کرنے سے حکومت مغلیہ کے آخری زمانہ کی بدنظمیوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ایک خواجہ سرا محبوب نامی بہادر شاہ کی ذی اختیار بیگم کا منظور نظر تھا جب بیگم وزارت کی مالک ہوگئیں تو میاں محبوب کو بھی مقدمات دربار کے انفصال کے معاملہ میں سیاہ و سفید کے اختیارات حاصل ہوگئے اور وہ نواب محبوب علی خاں بن گئے۔ لیکن ایک بے علم۔ نا قابل۔ جواری بدچلن کے ذی اختیار ہوجانے سے شرفا اور امرا نالاں تھے بادشاہ تک شکایتیں پہونچیں۔ شاہی عتاب کی تاب نہ لاکر میاں محبوب نے حج جانے کا ارادہ کرلیا لیکن یہ ارادہ زبانی منزل سے گزر کر عملی صورت اختیار نہ کرتا تھا جب اُستاد کے سامنے اس کا ذکر ہوا اُستاد نے فی البدیہہ یہ مطلع کہدیا جس میں اس کے اس ارادہ اور قمار بازی کی طرف اشارہ ہے ۱۲

لطف اُٹھانا ہو اگر منظور اُس کے ناز کا
پہلے اُس کا ناز اُٹھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

پوچھے مُلّا سے جسے کرنا ہو سجدہ سہو کا
سیکھے گر اپنا بھلانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

دیکھ کر قاتل کو بھر لائے خراشِ دل میں خوں
سچ تو یوں ہے مسکرانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

خط میں لکھوا کر اُنہیں بھیجا تو مطلع درد کا
دردِ دل اپنا جتانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

جب کہا مرتا ہوں وہ بولے مرا سر کاٹ کے
جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

واں ہلے ابرو یہاں پھیری گلے پر ہم نے تیغ
بات کا ایما بھی پانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

سُن کے آمد اُن کی از خود رفتہ ہو جاتے ہیں ہم
پیشوا لینے کو جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

جو سکھایا اپنی قسمت نے وگرنہ اس کو غیر
کیا سکھائے گا سکھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

کیا ہوا اے ذوق ہیں چشمِ مردمک ہم روسیاہ
لیکن آنکھوں میں سمانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

٣٧

جو کچھ کہ ہے دنیا میں وہ انساں کے لیے ہے
آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لیے ہے

اپنوں سے نہ دل اپنے ہیں سب اپنوں کے دشمن
ہر نَے میں بھری آگ نیستاں کے لیے ہے

ہر کس کی نگاہوں کا ہوں وحشی کہ مری خاک
اک کحلِ بصر چشمِ غزالاں کے لیے ہے

کچھ میرے نصیبوں سے زیادہ جو سیاہی
باقی ہے تو میری شبِ ہجراں کے لیے ہے

وہ زلفِ سیہ پھینکتی کیوں دام ہے دل پر
یہ صید کسی پنجۂ مژگاں کے لیے ہے

دل قیدِ تعلق سے نکل سکتا نہیں ذوق
کیا در نہیں اس خانۂ زنداں کے لیے ہے

٣٨

چینی تو نے افشاں جو اے مہ جبیں ہے
ستاروں میں کیا کیا چناں و چنیں ہے

نہ پوچھو کہ دل شاد ہے یا حزیں ہے
خبر بھی نہیں یاں کہ ہے یا نہیں ہے

یہی گر تری چشمِ سحر آفریں ہے
تو دل ہے نہ جاں ہے نہ ایماں نہ دیں ہے

ہر اک چاند دیکھے ہے انتیسویں کا
جہاں ناتواں بین و باریک بیں ہے

رکے اشک اور آہ پہنچی فلک پر
مرا عشق کم خرچ و بالا نشیں ہے

تغافل سے فرصت نہیں واں نظر کو
یہاں منتظر لب پہ جان حزیں ہے

پڑے تفرقے یہ جدائی سے تیری
کہ میں ہوں کہیں دل کہیں جاں کہیں ہے

شب غم میں دمساز و دلسوز اپنا
دم سرد ہے نالۂ آتشیں ہے

نہ کی آہ سو زخم دل پر اٹھائے
تجھے آفریں ذوقؔ صد آفریں ہے

۳۹

تو چشم میں نہ سرمۂ دنبالہ دار دے
مفتون چشم کو یوں ہی اک تیر مار دے

دشنام ہو کے وہ ترش ابرو ہزار دے
یاں وہ نشے نہیں جنھیں ترشی اتار دے

وہ ناتواں ہوں میں کہ نہ جنبش کروں کبھی
پلٹے اگر نہ مجھ کو دل بے قرار دے

ایسا نہ ہو کہ آتے ہی آئے جواب خط
قاصد جواب زندگی مستعار دے

میں ہوں وہ گل کہ پہنچوں گلبن سے خاک تک
جنبش اگر نہ مجھ کو نسیم بہار دے

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

میں ہوں وہ زندہ دل کہ مری جان بے قرار
برق جہاں کو آتش مردہ قرار دے

نے رحم ہے نہ پاس مروت نہ منصفی
پھر جان کس امید پہ یہ جاں نثار دے

ہو گرمی وفا سے شگفتہ نہ گل کا دل
جاں اپنی اس پہ بلبل شیدا ہزار دے

بے فیض چشمہ آب صفا کا ہے تو کیا
مانگوں تو ایک قطرہ نہ آئینہ وار دے

لہ یہ غزل مرزا فخرو شہزادہ کے مشاعرہ کی ایک طرحی غزل میں کہی تھی استاد کا یہ شعر حکیم آغا جان عیش کو اس شعر سے لڑ گیا ... شمع ... ہوتی ہے ... تی ہے کس لیے تو تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے
حکیم صاحب نہایت منصف مزاج تھے استاد کا شعر سنکر خوش ہوئے اور فرمایا کیا خوب کہا ہے
آپ ہمارے استاد ہیں ۱۲

پشّے سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
جب قصدِ خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانئے کیا کرے جو خدا اختیار دے

۴۰

پوچھ مت راہِ وفا اُس نگہِ پُرفن سے
رہنمائی کی نہ رکھ چشم دلا رہزن سے

کافرِ عشق ہوں گر سر بھی جدا ہو تن سے
نکلے زنّارِ محبّت نہ مری گردن سے

تارِ ہر ساز کے پردہ میں محبّت کے سبب
ایک فریاد نکلتی ہے دلِ آہن سے

ہوں میں وہ سوختہ جوں شمع کہ مثلِ فانوس
میرا پیراہنِ تن میرے جدا ہے تن سے

تیغِ غم سے ہو نہ کیوں سینہ سپرِ مردِ وفا
کثرتِ زخم بدن پر نہیں کم جوشن سے

تیرہ بختوں کا ہے وہ کلبۂ تاریک بلا
ڈر کے خورشید بھی جھانکا نہ جہاں روزن سے

خوں مرا داغ نہیں دھوتا ہے تو کیا قاتل
یہ نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا ترے دامن سے

ہو گیا کاغذِ سوزن زدہ سینہ سارا
دل کی جو پھانس تھی نکلی نہ ہر سوزن سے

گر جھکے تیغ تری سر ابھی حاضر ہے کہ ہم
اس پہ مرتے ہیں کہ تعظیم تو لی دشمن سے

چھوڑ کر گھر ترے ہاتھوں سے نکل جائیں کہاں
تنگ ہمسایوں کو اے ذوق نہ کر شیوں سے

۴۱

ہمیشہ دورِ عشرت ہے جو تم ہو اہلِ کیفیت
کہ مہر و ماہ سے دن رات یاں اک جام چلتا ہے

ترا تیرِ نگہ پیکِ قضا سے کم نہیں قاتل
جدھر چلتا ہے بن کر موت کا پیغام چلتا ہے

کیا پختہ مزاجوں کو مسخر تو نے دنیا میں
یہ تیرا خوب جادو اے خیالِ خام چلتا ہے

ارادہ گر کرے ناقص علوِّ جاہِ کامل کا
تو یہ جانو کہ نابینا کنارِ بام چلتا ہے

خرد نے رازِ عالم کچھ نہ پایا ذوق اگر پایا
کہ بے آغاز آیا اور بے انجام چلتا ہے

۴۲
پھولا نہیں سماتا جو گل پیرہن میں ہی
آتا یہ کس بھروسہ پہ ہنستا چمن میں ہی

مہ میں کہاں جو تابِ رُخِ سیم تن میں ہی
پردہ سا عنکبوت کا سقفِ کہن میں ہی

دم کو نہیں ہی سینہ میں آرام ایک دم
یہ وہ غریب ہی کہ مسافر وطن میں ہی

یاد آتا ہی جو آبِ دمِ تیغ کا مزہ
بھر آتا میرے زخم کے پانی دہن میں ہی

ہوش و خرد کو دیکھ لبادہ رسن ذوق
آرام کو بھی دیکھ کہ دیوانہ پن میں ہی

۴۳
یہاں[۵۱] کے آنے کا مقرر قاصد وہ دن کرے
جو تو نہ آئیگا وہی دونگا خدا وہ دن کرے

جب کہا قاصد نے دن وعدہ کا آیا تو کہا
اس سے کہہ دیوں ہی محشر تک گنا وہ دن کرے

دن قیامت کا تو ہی پر میرا طومارِ عمل
ہائے اتنا ہی کہ امکاں کیا وفا وہ دن کرے

ذوق کہتا تھا کرونگا جمعہ کو حب کا عمل
کوئی اس کو جاکے بتلاوے ہلو وہ دن کرے

۴۴
کوئی[۵۲] کمر کو تری ہو اگر کمر تو کہے
کہ آدمی جو کہے بات سچ کر تو کہے

مری حقیقتِ پُر درد کو کوئی اُس سے
یہ آہ و نالہ نہ کہوے یہ چشمِ تر تو کہے

شہیدِ عشق کا ہر قطرہ خوں انالحق ہی
کہے جو حق کوئی منصور اس قدر تو کہے

بھرے گا بارِ محبت کی کیا فلک حامی
یہ حوصلہ کوئی رکھے بجز بشر تو کہے

سرشک چشم مرے ہیں کہ ہوگئے موزوں
مری طرح سے کوئی ذوق شعرِ تر تو کہے

---

۵۱ یہ غزل سولہ سترہ برس کی عمر میں کہی تھی اور اس طرح کہی تھی کہ شاہ نصیر کے بیٹے وجیہ الدین منیر جو استاد کے ہم عمر تھے ایک دن باتوں باتوں میں یہ قرار پایا کہ دونوں ایک ہی جگہ بیٹھ کر مقابلہ میں غزل لکھیں۔ چنانچہ دونوں نوجوان شعرا نے غزلیں لکھیں یہ غزل اسی معرکے کی یادگار رہی ۱۲

۵۲ یہ غزل بھی عین عالم جوانی سولہ سترہ برس کی عمر میں لکھی تھی ۱۲

۴۵

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

سامنے چشم گہر بار کے کہدو دریا
چڑھ کے گر آئے تو نظروں سے اُتر جائینگے

خالی اے چارہ گرو ہونگے بہت مرہم داں
پر مرے زخم نہیں ایسے کہ بھر جائینگے

پہنچینگے رہگزر یار تلک کیونکر ہم
پہلے جب تک نہ دو عالم سے گزر جائینگے

ہم نہیں وہ جو کریں خون کا دعوےٰ تجھ سے
بلکہ پوچھیگا خدا بھی تو مکر جائینگے

ذوق جو مدرسے کے بگڑے ہوئے ہیں مُلّا
اُن کو میخانہ میں لے آؤ سنور جائینگے

۴۶

دل بچے کیونکر بتوں کی چشم شوخ و شنگ سے
اپنا گھر تو سوجھتا ہے سیکڑوں فرسنگ سے

ہے تغافل کیش جلدی آ کہ تو واقف نہیں
اِس دل بیتاب و جانِ مضطرب کے ڈھنگ سے

لب سے باتیں کہ گویا تیرا ہر تارِ سخن
جنتری میں کھنچ کے نکلے ہے دہانِ تنگ سے

ایک بھی نکلے نہ میری نے صدائے دلخراش
خوں اگر ٹپکے نوائے مرغِ خوش آہنگ سے

جوشِ گریہ سے رہی برسات برسوں پر کبھی
اس کی تیغ تیز آلودہ نہ دیکھی زنگ سے

پہلے یہ نیت وضو کی ہے نمازِ عشق میں
دل سے کہہ دیجئے کہ دھوئے ہاتھ نام و ننگ سے

میرے رونے کے اثر سے ہو گئے پتھر بھی آب
جھڑتے ہیں جائے شرر پانی کے قطرے سنگ سے

ذوق زیبا ہے جو ہو ریش سفید شیخ پر
وسمہ آبِ سنگ سے مہندی ہو گلرنگ سے

۴۷

کب بجز شمع ازل کا ہے خلیفہ انساں
پھر کرے کون اگر یہ ہی خلافت نہ کرے

بن جلے شمع کے پروانہ نہیں جل سکتا
کیا کرے عشق اگر حسن ہی سبقت نہ کرے

پھر چلا مقتلِ عشاق کو قاتل اے ذوق
سر پہ برپا نہ کشتوں کے قیامت نہ کرے

ف ذوق مرحوم کے دیوان میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہے مر گئے پر نہ لگا جی تو کدھر جائینگے

چلتا ہو ذوق قید سے ہستی کے چھوٹ کے	۴۸	یہ قید مار ڈالے گی دم گھوٹ گھوٹ کے
بیدرد سینہ کوٹنا خالی نہیں مرا		دل میں بھرا ہی درد مُرے کوٹ کوٹ کے
کیونکہ حباب ہو سکے دریائے بیکراں		دریا سے جب تلک نہ ملے ٹوٹ پھوٹ کے

اس شمع رو سے رات کو رخصت ہو ذوق
روئے ہیں دل کے آبلے کیا پھوٹ پھوٹ کے

ہر دم دلِ خوں گشتہ میں اک جوش فزوں ہی	۴۹	جو آہ ہی سینہ میں سو فوارۂ خوں ہی
پھر جاتی ہی سینہ کو مری آہ بھی اُلٹی		قسمت سے جو برگشتہ ہوئی بخت نگوں ہی
قائم ہی بنا درد کی فریاد سے میری		جو نالہ ہی ایوانِ محبت کا ستوں ہی
مر جاؤں مگر رازِ محبّت نہ جتاؤں		کیسا ہی اگر درد ہو دل میں نہ کہوں ہی
تلخابۂ حسرت کو پیوں کیوں نہ مزے سے		میری یہی تدبیرِ تپ سوزِ دروں ہی
آلودۂ اظہار نہ ہو رازِ محبّت		دم ہونٹوں پہ آجائے مگر میں نہ کہوں ہی

کرے ہی کام تیغِ یار کس کس آبداری سے	۵۰	دکھاتی اپنی گلکاری ہی کیا کیا زخمِ کاری سے
زباں کھولینگے مجھ پر بدزباں کیا بدشعاری سے		کہ میں نے خاک بھر دی اُن کے منہ میں خاکساری سے
گذرتی ہی مزہ میں زندگی غفلت شعاری سے		مرے نزدیک بیہوشی ہی بہتر ہوشیاری سے
رواں ہی شمع کے اشکوں میں چربی خاک گھل گھل کر		بہا جاتا ہی دل خوں ہو کے اپنا اشکباری سے
جو پوچھے زاہدِ خشک اپنی دارو کہدو می پی لے		اگر پرہیز کو پوچھے کہو پرہیزگاری سے
قفس کو لے اُڑیں صیاد اسیرِ مضطرب تیرے		خبر گل کی اگر اُڑتی سنیں بادِ بہاری سے
کبھی گر سر اُٹھا اپنا تو جوں اشکِ سرِ مژگاں		زمیں کو جا لگا سر جھک کے اپنا شرمساری سے

نہیں آتا نہ آئے رحم اے ذوق اُس ستمگر کو
بلا سے خوش تو ہو جاتا ہی میری آہ و زاری سے

یار ہنسنے حال پر ہم دلفگاروں کے لگے
اور بھی چمکا سمندِ وحشت اپنا دشت میں
ہو اگر گرم فغاں مرغ چمن میری طرح

۵۱
کاش لگے ایسے ہی یارب تلووں کے لگے
تیز جوں مہمیز نشتر جب کہ خاروں کے لگے
آگ دم میں آشیانوں کو ہزاروں کے لگے

ذوق صحرائے جنوں میں ہو گیا ہی گرد باد
توسنِ وحشت کو ہیں مہمیز خاروں کے لگے

دل کہاں سیر تماشے پہ میرا لگتا ہی
جو حوادث سے زمانہ کے گرا کب اٹھا

۵۲
دل کے لگ جانے سے جینا بھی برا لگتا ہی
نخل آندھی کا کہیں اکھڑا ہوا لگتا ہی

اڑائی طرزِ نالہ کی تھی ایکدم تیرے محزوں سے
نہ شب آنکھوں میں خواب آیا خیالِ خالِ شگوں سے
اڑائیں یوں جادوگر بلا سے ہم نہیں ڈرتے
یہ دنیا ہی وہ خمخانہ کہ جس ہیں دورِ گردوں نے
اثر ہو نالۂ پردرد کا اتنا تو لے بلبل
شہیدِ چشمِ میگوں ہوں کہیو تربت پہ سب میکش

۵۳
سوا ہنگامِ دیکھ لے منقارِ طوطی سخن ہی خوں سے
رہے بیدار ساری رات ہم ایک حبّ افیوں سے
ہی اپنا دم ہوا ہوتا تری چشم پر افسوں سے
گلِ حکمت کئے کتنے ہی خُم خاکِ فلاطوں سے
کہ ٹپکے جائے شبنم اشکِ انجم چشمِ گردوں سے
کریں آ کر چراغاں ساغرِ صہبائے گلگوں سے

اسی باغِ سخن میں ذوق جی اپنا بہلتا ہی
جہاں بو عشق کی آتی ہی کچھ گلہائے مضموں سے

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی
ترا زباں سے ملانا زباں جو یاد آیا
تو وہ ہلال جبیں ہی کہ تارے بن بن کر
اڑائی حرص میں آ کر جہاں میں سب نے خاک
کسی کی کاوشِ مژگاں سے آج ساری رات

۵۴
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تالو سے پھر زبان لگی
رہے ہی تیری طرف چشمِ یک جہان لگی
نہیں ہی کس کو ہوا زیرِ آسمان لگی
نہیں پلک سے پلک میری ایک آن لگی

تباہ بحرِ جہاں میں تھی اپنی کشتیِ عمر
سو ٹوٹ پھوٹ کے بارے کنارے آن لگی

خدنگِ یار کو کس طرح کھینچ لوں دل سے
کہ اس کے ساتھ ہے اے ذوق میری جان لگی

۵۵
وہ ہوں ہیں پر معاصی سوختہ سوزِ ندامت سے
حذر دوزخ کرے جس کے شرارِ سنگِ تربت سے

وہی ہے ایک سب میں دیکھ لو چشمِ حقیقت سے
بنا واحد کی کیوں ٹوٹے گا ملّا جمع کثرت سے

دمِ تکبیر اُٹھائے دو جہاں سے ہاتھ یکباری
نمازِ عشق کی ہم نے ادا کیا حسنِ نیت سے

حریصوں کو نہیں جا وسعت آبادِ قناعت میں
جو کھینچے ہاتھ کو وہ پاؤں پھیلائے فراغت سے

الف کو تیری قامت کے کیا اُستادِ قدرت نے
مزیّن صفحۂ ہستی پہ رعنائی کے خلعت سے

لبِ ہر زخم میرا ہے ہلالِ عید سے خوشتر
مجھے زخمی کیا ہے کس نے ابرو کی اشارت سے

بہت اچھا کیا مجھ کو کیا گر قتل قاتل نے
کہ ہووے گا نہ عاشق اب کوئی اوروں کی عبرت سے

علاجِ زخمِ حسرت ہے مرا نیز اب تیغ اس کا
نہیں سنگِ فساں کچھ کم مجھے سنگِ جراحت سے

ہوئی حرفوں میں گو یک نقطہ زحمت سے سوا رحمت
عدو میں ہے مگر رحمت زیادہ ہوتی زحمت سے

زبانِ ریختہ کر دی زبانِ اہلِ ولایت[1] کی
محبت ذوق کو از بسکہ ہے شاہِ ولایت سے

۵۶[2]
جو اس گلی میں مثلِ صبا آئے جائے ہے
فردوس میں کب اس کو تمنائے جائے ہے

ٹوٹا ہے کس پتنگ کا بازو کہ شمعِ بزم
یوں روغنِ اشکِ گرم سے ٹپکائے جائے ہے

لکھوا کے بھیج دیتا ہے اک پرچہ گاہ گاہ
دل کو ذرا ذرا سے پرچائے جائے ہے

ابرِ مژہ برس کے اگر کھل گیا تو کیا
نالہ تو وہ ہی آگ سی برسائے جائے ہے

فوارہ سے بجا ہے تواضع کا سیکھنا
اس سرکشی پہ سر کو وہ نہوڑائے جائے ہے

[1] ولایت سے مراد ایران ہے ذوق کے زمانہ میں اس لفظ کا یہی مفہوم تھا اب انگریزی عملداری میں ولایت سے ملک انگلستان مراد لی جاتی ہے ۱۲

[2] اس غزل کی ردیف بتا رہی ہے کہ ابتدائی مشق کی غزل ہے ۱۲

کیا حالِ جسمِ زار کہوں سوزِ عشق سے
ایک بال ہے کہ آگ پہ بل کھائے جائے ہے

مضمونِ اضطراب کا ہے یہ بھی ایک اثر
وہ مرغِ نامہ بر کو جو پھڑکائے جائے ہے

تابوت تیرے کشتہ کو پہنس سے کم نہیں
کیا پاؤں اپنے چین سے پھیلائے جائے ہے

سو کوس کیا! نہ جاسکے مجنوں تو دو قدم
پر شوق مدعا ہے کہ دوڑائے جائے ہے

جب تک کہ جان تن سے نکل جائے گی نہ ذوق
دل میں جو درد ہے سو کوئی ہائے جائے ہے

۵۷
کچھ نہیں چاہیئے تجہیز کا اسباب سے مجھے
عشق نے کشتہ کیا صورتِ سیماب مجھے

کل جہاں سے کہ اٹھا لائے تھے احباب مجھے
لے چلا آج وہیں پھر دلِ بیتاب مجھے

چمنِ دہر میں جوں سبزۂ شمشیر ہوں میں
آب کی جائے دیا کرتے ہیں زہراب مجھے

سفرِ عمر ہے یارب کہ ہے طوفانِ بلا
ہر قدم سیلِ حوادث کا ہے گرداب مجھے

کنجِ تنہائی میں دیتا ہوں دلاسے کیا کیا
دلِ بیتاب کو میں اور دلِ بیتاب مجھے

ہو گیا جلوۂ انجم مری آنکھوں میں نمک
کیونکہ آئے شبِ ہجراں میں کہو خواب مجھے

گردشِ چرخ ہے اے ذوق مہندس کے لیئے
آسماں اس کو نظر آتا ہے دولاب مجھے

۵۸
تیر اس نگہ کا گر دلِ مضطر میں گھر کرے
ناسورِ عشق زخم کے پھر گھر میں گھر کرے

کیڑا ذرا سا اور وہ پتھر میں گھر کرے
انساں وہ کیا نہ جو دلِ دلبر میں گھر کرے

یوں تیرے دل میں چھبتی ہے دنداں کی اس کے تاب
ہیرے کی جوں کنی دلِ گوہر میں گھر کرے

گنبد میں گردباد کے مجنوں نے گھر کیا
سرگشتہ ایسا کون کہ چکر میں گھر کرے

یوں رنگِ رخ پہ اس کے جما ہے مرا خیال
جس طرح رنگِ برگِ گلِ تر میں گھر کرے

خونِ شہیدِ ناز کو دھونا تھا کیا بھلا
یہ زنگ وہ نہیں ہے کہ خنجر میں گھر کرے

دیدۂ تنگ تو آنکھوں میں گھر کرتے ہیں ذوق
دل جس کا گم ہو وہ کہیں گھر میں گھر کرے

۵۹
لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
بہتر تو ہی یہی کہ نہ دُنیا سے دل لگے — پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے
کم ہوں گے اس بساط پر ہم جیسے بدقمار — جو چال ہم چلے سو نہایت بُری چلے
ہو عمر خضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ — ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے
لیلیٰ کا ناقہ دشت میں دکھلاتا ذوق شوق — سُن کر فغانِ قیس بجائے حدی چلے
نازاں نہ ہو خرد پہ جو ہونا ہو وہ ہی ہو — دانش تری نہ کچھ مری دانشوری چلے
دُنیا نے کس کا راہِ فنا میں دیا ہے ساتھ — تم بھی چلے چلو یونہیں جب تک چلی چلے

جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے ذوق
اپنی بلا سے بادِ صبا اب کبھی چلے

۶۰
لیا ایمان و دیں تُو نے اگرچہ ایک نہ مانے سے — نہیں اس پر بھی ای ظالم ترا ایماں ٹھکانے سے
ستمگر تو نے روکا سب کو میرے پاس آنے سے — اجل بھی اب یہاں آئے تو آئے کچھ بہانے سے
ڈھلینگے شمع کے سائے میں گذرے سر پہ جو گذرے — بہینگے آنسوؤں میں ان کے آگے اس بہانے سے
پڑے تسبیح زاہد پر نگاہ مست اگر تیری — تو ٹپکے بادہ انگور اس کے دانے دانے سے
کہاں جاؤنگا اڑ کر طائرِ بے بال و پر ہوں میں — قفس صیّاد کا بہتر ہے مجھ کو آشیانے سے

نہ کھینچو خوانِ دوں ہمت پہ ہاتھ ای ذوق آلودہ
کہ یہ کھانا مرے آگے ہے بدتر زہر کھانے سے

۶۱
جاں غش لبِ جاں بخش پر۔ دل غش خطِ مشکیں پہ ہے
عیسائی اپنے دیں پہ ہے۔ موسائی اپنے دیں پہ ہے
دے سین کی صورت دکھا۔ تو ہنس کے دانت اپنے ذرا
یاسین۔ کیا پڑھوا رہا۔ قاتل مرے بالیں پہ ہے

بلبل کا دل ہے خوں فشاں ہیں عشق کی نیرنگیاں
سرخی رنگ گل کہاں یہ دامن گلچیں پہ ہے

حرف زبانی ہو کہ خط قول اُن کا سچ ہو یا غلط
میری تو اب تسکیں فقط اے دل تری تسکیں پہ ہے

ہے خوشۂ انگور یا کرتا ہے دل پر آبلہ
صد خندۂ دنداں نما شب خوشۂ پرویں پہ ہے

دو جام تو بھر کر چڑھا پھر دیکھ کیفیت ہے کیا
یہ خوب عینک عق نما چشم حقیقت بیں پہ ہے

ہو کوہ کے چشموں سے واں پانی نہ کیوں شیریں رواں
دی جان شیریں کھو جہاں فرہاد نے شیریں پہ ہے

میں کیا کروں اظہار غم ہے بارِ سینہ پر بارِ غم
دن رات ایک انبار غم میرے دل غمگیں پہ ہے

صیقل نہ ہو گر تیغ پر جوہر پہ ہو کس کی نظر
اے **ذوق** یاں قدر ہنر آرائش و تزئیں پہ ہے

۷۲

دلا ربط اُس سے رکھنا کم ابھی سے
جتا دیتے ہیں تم کو ہم ابھی سے

نہیں ہے دیر اگر جانے میں اُن کے
نہیں اپنے بھی دم میں دم ابھی سے

بہے آنسو تو دامن کیا کہیں گے
ہوئی ہے آستیں پر نم ابھی سے

تھا مجھ کو پاس آبرو تھا
وگرنہ اشک جاتے تھم ابھی سے

نکلتے ہی دم اٹھواتے ہیں مجھ کو
ہوئے بیزار کیوں ہمدم ابھی سے

نہ جا اُن کے تیوروں سے اے **ذوق**
کہ پھرتے ہیں تو تیغ دم ابھی سے

حالت نشہ میں دیکھنا اس بے حجاب کی
کوچہ میں آپڑے تھے ترے خاک ہوکے ہم
قاصد جواب جان مری دے چکی مجھے
نکلے ہو میکدہ سے ابھی منہ چھپا کے تم

٦٣

ہر ناز سے ٹپکتی ہے مستی شراب کی
یہاں تو صبا نے اور بھی مٹی خراب کی
ہیں منتظر یہ آنکھیں میں خط کے جواب کی
دابے ہوئے بغل میں صراحی شراب کی

اے ذوق بس نہ آپ کو صوفی جتائیے
معلوم ہے حقیقت ہو حق جناب کی

قفلِ صد خانۂ دل آیا جو تو ٹوٹ گئے
چارہ گر سوزنِ تقدیر میں کچھ اور ہیں تار
سیکڑوں کاسۂ سر دہر میں مانندِ حباب
دخترِ رز نے وہ انداز دکھائے سرِ بزم
چشمِ مخمور کے ایک جام میں سب پیالوں کے
کیا بیاں تم سے کروں تو ڑ شکستِ دل کا
قطرۂ تر یہ امنڈ کر جو شب آئے آنسو
گلشنِ عشق ہے کیا بارور اللہ اللہ

٦٤

جو طلسمات نہ ٹوٹے تھے کبھو ٹوٹ گئے
جیب کے تار یہ ہو ہو کے رفو ٹوٹ گئے
کبھو اے چرخ نہ تجھ سے کبھو ٹوٹ گئے
رات یاروں کے وہاں غسل و وضو ٹوٹ گئے
رات سر رشتۂ اعمال کو ٹوٹ گئے
کہ مری خاک سے بن بن کے سبو ٹوٹ گئے
رشتۂ گریہ سے مو بر سرِ مو ٹوٹ گئے
یہ ثمر لائے کہ سروِ لبِ جو ٹوٹ گئے

دیدۂ آبلہ پا پہ ہے مژگاں پیدا
ساقیا بادہ کشی میں کٹی ساری برسات
رونگٹے یار کے پشتِ لبِ شیریں پہ نہیں
نو گرفتارِ قفس گر یونہی تڑپے صیاد

٦٥

پاؤں میں چبھ کے مرے خار ترش ٹوٹ گئے
عہد و پیماں مرے سب ایک ہی ٹوٹ گئے
شہد پر بیٹھ کے ہیں پنکھ مگس ٹوٹ گئے
کوئی دم میں یہ سمجھنا کہ قفس ٹوٹ گئے

ذوق ہم ہو گئے گم ایسی ہوئی گم آواز
آج کیا قافلے کے سارے جرس ٹوٹ گئے

٦٦ ہم اُدل ہی سے خود کو نابود سمجھے — کہ باگِ ولادت کو مولود سمجھے
ہوا نالہ جب دودِ آلود سمجھے — کہ تھے عشق حلوائے بے دود سمجھے
خدائی خدائی اگر آگئے آئے — وہ کافر کسی کو نہ موجود سمجھے
ہمارا جو دل ہوگیا موم اُن پر — ہم الفت کو اعجازِ داؤد سمجھے

کیا دِل کا بازارِ الفت میں سودا
زیاں کو ہم اے ذوق یاں سود سمجھے

٦٧ خط بڑھا کاکل بڑھے زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے — حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے
تیرے جلوہ سے چمن میں ذوق اے گلرو بڑھے — شاخِ گلبن میں بڑھے گل گل میں رنگ و بو بڑھے
بعد رنجش کے گلے ملتے ہوئے رکتا ہے جی — اب مناسب ہے یہی کچھ میں بڑھوں کچھ تو بڑھے
کہہ رہا ہے حسن کے دیواں میں خطِ پشتِ لب — ایک مطلع اور زیرِ مطلعِ ابرو بڑھے
بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی وحشت وگرنہ پہلے آہ — ہاتھ کے ناخن بڑھے سر کے ہمارے مو بڑھے
تجھ کو دشمن وہ شرارت سے جو بھڑکاتے ہیں روز — چاہتے ہیں اور شرر اے شوخِ آتش رو بڑھے
واہ ساقی کیا ہی ہے دارُوئے فرحت فزا — جس کے اک قطرے سے سیروں جسم میں لہو بڑھے
یوں دمِ گریہ ہوا دل سے مرے نالہ بلند — جس روش پانی کے باعث سروِ آبِ جو بڑھے
چرخِ پر نورِ قمر راتوں بڑھے راتوں گھٹے — حُسن تیرا روز بر روز اے ہلال ابرو بڑھے
چاہتا ہے دل بڑھے الفت کی اُس سے رسم و راہ — پر وہاں قابو نہیں کس طرح بے قابو بڑھے

پیشوائی کو غمِ جاناں کی چشم و دل سے ذوق
جب بڑھے نالے تو اُن سے بیشتر آنسو بڑھے

٦٨ آتے ہی تو نے گھر کے پھر جانے کی سنائی — رہ جاؤں سن نہ کیونکر یہ تو بُری سنائی
مجنون و کوہکن کے سننے تھے یار قصے — جب تک کہانی اپنی ہم نے نہ تھی سنائی
کیا جانے کیا کہے گا کچھ کہنے کو ہے ناصح — دیتا نہیں مجھے تو اے بیخودی سنائی

صورت وہ دکھائے اپنی۔ دیکھیں وہ کس طرح سے		آواز بھی نہ جس نے ہم کو کبھی سنائی

قیمت میں جنس دل کی مانگا جو ذوق بوسہ
کیا کیا پھر اس نے ہم کو کھوٹی کھری سنائی

ثبت اس بیاض چشم میں ہیں خط سرمہ سے	۶۹	جو انتخاب نسخۂ افسوں گری ہوئے
دکھلائے ہم نے لیکے جو دامن پہ دُرِّ اشک		قائل ہماری آنکھ کے سب جوہری ہوئے
جل جائے خاک وحشی چشم بتاں ہے گھاس		لیکن ہرن کھری[1] نہ رہے بن ہری ہوئے
ہم جیتے جی جہان سے معدوم ہوگئے		اتنے نظر سے گم بسبب لاغری ہوئے
رسوا نہ ہوتے کرتے نہ گر جیب و سینہ چاک		ہم آپ اپنی باعث پردہ دری ہوئے
مطلب نہ کفر سے ہے نہ اسلام سے ہے کام		دل دیکے ای صنم تجھے سب سے بری ہوئے

ای ذوق آج سامنے اُس چشم مست کے
باطل سب اپنے دعوے دانشوری ہوئے

اِک صدمہ درد دل سے مری جان پر تو ہے	۷۰	لیکن بلا سے یار کے زانو پہ سر تو ہے
آنا ہے اُن کا گرچہ قیامت پہ منحصر		ہم خوش ہیں یہ کہ آنے کی اُن کے خبر تو ہے
ہے سر شہید عشق کا زیب سنان یار		صد شکر بارے نخل وفا بارور تو ہے
ای شمع دل ہے رونے میں جلتا تو کیا ہوا		ہو جاتی رات اس میں بلا سے بسر تو ہے
ہے دل میں درد اگر نہیں ہمدرد میرے پاس		دلسوز اگر کوئی نہیں سوز جگر تو ہے
ای دل ہجوم رنج و الم سے نہ تنگ ہو		خانہ خراب خوش ہو کہ آباد گھر تو ہے
اُس بت نے غائبانہ کہا یا نہیں کہا		چپ ہو گیا وہ بارے مجھے دیکھ کر تو ہے
تربت پہ دل جلوں کی نہیں گر چراغ و گل		سینے میں سوزش دل و داغ جگر تو ہے
کشتی بحر غم مرے حق میں ہے تیغ یار		کر دیتی اک دم میں اِدھر سے اُدھر تو ہے

[1] ہرن کھری ایک گھاس ہوتی ہے جس کی شکل ہرن کے سُم سے ملتی ہے ۱۲

وہ دل کہ جس میں سوزِ محبت ہوئے ذوق
بہتر ہے اس سے سنگ کہ جس میں شرر تو ہے

خدا نے میرے دیا سینہ لالہ زار مجھے	٧١	بتو نہ بن گئے نظر آؤ تم بہار مجھے
جمالِ یار نے مڑ کر بھی دیکھنے نہ دیا		پکارتے رہے دیر و حرم ہزار مجھے
تمہارے عشق میں ماہی سے تا بہ ماہِ فلک		دکھائی دیتے ہیں چرخ لہائے داغدار مجھے
نظر جو لطف کی ہے روزِ وصل پر موقوف		تو کرنا کیا تھا نظر بند انتظار مجھے
ہوائے وادیٔ وحشت مجھے موافق تھی		دکھا رہے ہیں چمن کی یہ کیا بہار مجھے

نہ دیتا عشق اگر چشمِ اشکبار اے ذوق
جلا چکی تھی مری آہِ شعلہ بار مجھے

مرضِ عشق جسے ہو اسے کیا یاد رہے	٧٢	نہ دوا یاد رہے اور نہ دعا یاد رہے
داغِ دل پر مرے پھاہا نہیں ہے اگر کا		چارہ گر لیجو نہ چٹکی سے اٹھا یاد رہے
گر حقیقت میں ہے رہنا تو نہ رکھ خود بینی		بھولے بندہ جو خودی کو تو خدا یاد رہے

عالمِ حسن خدائی ہے بتوں کی اے ذوق
چل کے بت خانہ میں بیٹھو کہ خدا یاد رہے

ہو نہ لبیکِ حرم یا یہ اذانِ مسجد	٧٣	میکشو قلقلِ مینا کی صدا یاد رہے
دو ورق میں کفِ حسرت کے دو عالم کا ہے علم		سبقِ عشق اگر تجھ کو دلا یاد رہے

محو اتنے بھی نہ ہو عشقِ بتاں میں اے ذوق
چاہیے بندے کو ہر وقت خدا یاد رہے

تدبیر نہ کر فائدہ تدبیر میں کیا ہے	٧٤	کچھ ہے بھی خبر ہے تیری تقدیر میں کیا ہے
اے اہلِ نظر عالمِ تصویر کو دیکھو		تصویر کا کیا دیکھنا تصویر میں کیا ہے
پارہ کی جگہ کشتہ اگر ہو دلِ بیتاب		پھر آپ ہی اکسیر ہے اکسیر میں کیا ہے

کچھ سلسلہ جنبانِ جنوں ہے ترا مجنوں — غل دیکھ یہ خانۂ زنجیر میں کیا ہے
بیٹھا ہے درِ کعبہ پہ حیراں ترا شیدا — لبیک میں کیا ہوتا ہے تکبیر میں کیا ہے
یہ غنچۂ تصویر کھلا ہے نہ کھلے گا — کیا جانے دلِ عاشقِ دلگیر میں کیا ہے
اترا تھا گلے سے کہ جگر ہو گیا ٹھنڈا — کیا جانے اُس آبِ دمِ شمشیر میں کیا ہے

ذوق اس لبِ شیریں کا جو تو وصف ہے کہتا
کیا کہیے حلاوت تری تقریر میں کیا ہے

۷۵
یہ ہم وہ کیا ستمگر پیشتر ایسے نہ ہوتے تھے — ولیکن جیسے تم ہو فتنہ گر ایسے نہ ہوتے تھے
کسی کی شوخیاں یاد آ گئیں ہیں ورنہ مژگاں پر — نمایاں قطرۂ خونِ جگر ایسے نہ ہوتے تھے
خدنگِ عشق کھا کر زخمِ دلِ فرہاد کے باہم — لگے کہنے کہ شیرین و شکر ایسے نہ ہوتے تھے
سفر ہے ملکِ جاں کا حضرتِ دل بیٹھے حیراں ہیں — پریشاں ورنہ یوں گردِ سفر ایسے نہ ہوتے تھے
کتابِ دل شرارِ عشق سے ہی جل اٹھی شاید — کہ مضموں دردِ دل کے پیشتر ایسے نہ ہوتے تھے
ہمارے آبلوں میں آب ہے یا آبداری ہے — کہ پہلے خارِ صحرا تیز تر ایسے نہ ہوتے تھے

ہمارے شعر سن کر ذوق جیسے بزمِ عالم میں
ہوئے قائل ہیں اب اہلِ نظر ایسے نہ ہوتے تھے

۷۶
نہ کھینچو عاشقِ تشنہ جگر کے تیر پہلو سے — نکالے پر ہے مثلِ ماہیٔ تصویر پہلو سے
نہ لے اے ناوک افگن دل کو میرے چیر پہلو سے — کہ وہ تو جا چکا ساتھ آہ کے جوں تیر پہلو سے
دلِ سیپارہ کو لے تا نہ تعویذوں میں ہیکل کے — نہ سرکا یہ حمائل ہے بتِ بے پیر پہلو سے
وہ ہو بے دست و پا بسمل رسائی جب نہ ہاتھ آئی — گیا تا پائے قاتل از تہِ شمشیر پہلو سے
یہ دل لب تشنۂ تیغِ یار کا ہے رات بھر کرتا — صدائے العطش جوں نالۂ شبگیر پہلو سے
نہ کہنا استخواں ان کو یہ عالم لاغری کا ہے — کہ ہے دکھلا رہا میرا دلِ دلگیر پہلو سے
خیالِ ابروئے جاناں نہیں دل بھولتا اک دم — سپاہی ہے جدا کرتا نہیں شمشیر پہلو سے

تمام اہلِ سخن بزمِ سخن میں ذوق حیراں ہیں
ملا جو قافیہ تو نے کیا تحریر پہلو سے

۷۷

برق میرا آشیاں کب کا جلا کر لے گئی
کچھ جو خاکستر بچا آندھی اڑا کر لے گئی

اس کے قدموں تک نہ بیتابی بڑھا کر لے گئی
بلکہ دو پلٹے دیے اور پھر ہٹا کر لے گئی

ناتوانی ہم کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا کر لے گئی
چیونٹی سے جوٹھی دانہ چھڑا کر لے گئی

صبحِ رخ سے کون شامِ زلف میں جاتا تھا آہ
اے دلِ شامت زدہ شامت لگا کر لے گئی

خون سے فرہاد کے رنگیں ہوا دامانِ کوہ
کیوں نہ روحِ شیریں یہ دھبا چھڑا کر لے گئی

نوکِ مژگاں جب تری سینہ فگاروں سے دوچار
پارہ ہائے دل سے گلدستہ بنا کر لے گئی

دیکھی کچھ دل کی کشش لیلیٰ کہ ناقہ کو ترے
سوئے مجنوں آخرش رستہ بھلا کر لے گئی

دشتِ وحشت میں بگولا تھا کہ دیوانہ ترا
روحِ مجنوں بہرِ استقبال آ کر لے گئی

آگ تھی ہی کون گر پڑتا مگر پروانہ کو
آتشِ سوزِ محبت ہی جلا کر لے گئی

اے پری پہلو سے میرے کیا کہوں تیری نگاہ
دل اڑا کر لے گئی یا پر لگا کر لے گئی

ذوق مر جانے کا تو اپنے کوئی موقع نہ تھا
کوئے جاناں میں اجل ناحق لگا کر لے گئی

۷۸

حدِ فہم سے وصفِ جبیں ہے صنم پرے [لہ]
برحق ہے شاخ سدرہ سے لوح و قلم پرے

کیوں گرمِ اضطراب ہے اس درجہ اے شرار
ہستی سے کتنی دور ہے ملکِ عدم پرے

ہے موجِ ریگ بادیہ کیا۔ ایک گام میں
ہو گئے سوارِ کشتیِ نقشِ قدم پرے

یہ کیا شبِ وصال کہ دونوں ہم تو ہیں
پر ہم سے وہ ہیں بیٹھے پرے اُن سے ہم پرے

برگشتہ بخت وہ ہوں کہ پھر جائے ناز سے
مژگاں تک اس کی آ کے نگاہِ کرم پرے

لہ یہ غزل شاہ نصیر کے یہاں مشاعرہ میں پڑھی تھی وہ زمانہ عنفوانِ شباب کا تھا لیکن غزل کے تیور اسی زمانہ سے ذوق کی اُستادی کا پتا دے رہے تھے ۱۲

کرتا ہی کیا مسافتِ منزل کا فکر ذوقؔ
ہو اب یہاں سے ملکِ عدم دو قدم پرے

۷۹

ذکرِ مژگاں تیرا جس کے روبرو نکلا کرے
اُس کے بے نشترِ رگِ جاں سے لہو نکلا کرے

گر فغاں اچھا نہیں تو چپ بھی رہنا ہی بُرا
کچھ تو سینہ کا بخار ای دل کبھو نکلا کرے

لائے گر بادِ صبا اس زلفِ مشکیں کی شمیم
شمع کے گل سے گلِ شبو کی بُو نکلا کرے

دیکھے میرے آنسوؤں کی آبداری کو اگر
آب دریا سے گہر بے آبرو نکلا کرے

چشمِ مستِ یار اگر دکھلائے تاثیرِ نظر
تا قیامت پھر دلِ آہو سے ہُو نکلا کرے

ای صنم پیدا کرے جو دل میں تیری آرزو
پھر نہ اُس کے لب سے حرفِ آرزو نکلا کرے

خطِ مشکیں کا تمہارے وصف اگر کیجے رقم
خطِ مشک افشاں قلم سے مو بمو نکلا کرے

حضرتِ دل ہم تو جب جانیں کرامات آپ کی
کھلکے دھکے دو اس گھر سے عدو نکلا کرے

تیرے ترکِ چشم کو گر شوقِ خونریزی نہ ہو
باندھ کر تلوار کیوں ای جنگجو نکلا کرے

خدمتِ پیرِ مغاں سے لو وہ دارو جلد ذوقؔ
نشہ ہو جس سے بے جام و سبو نکلا کرے

۸۰

خمِ ابرو تیرا جب یار نظر آتا ہی[1]
کوئی کھینچے ہوئے تلوار نظر آتا ہی

جب ترا شعلۂ رخسار نظر آتا ہی
سرِ خورشید کا بازار نظر آتا ہی

کیا تمہیں ای اولوالابصار نظر آتا ہی
یاں تو اغیار میں بھی یار نظر آتا ہی

معنیِ رنگِ خموشی سے جو دل ہو آگاہ
برگِ گل میں لبِ اظہار نظر آتا ہی

ہی غضب سرمہ نے چمکایا تری آنکھوں کو
آج فتنہ ہمیں بیدار نظر آتا ہی

بارِ احساں ہی صبا کا بھی سرِ نکہتِ گل
کون گلشن میں سبکبار نظر آتا ہی

ہائے ای دستِ جنوں تارِ نفس چھوڑ دیا
تن پہ تو مجھ کو نہیں تار نظر آتا ہی

[1] بعض دیوانوں میں یہ مصرع اس طرح درج ہی "خدا نری ماتگ کا جب یار نظر آتا ہی" ۱۲

بڑھ کے جو چمکا زمانے میں دکھائی دیا کم
روز کب اختر دم دار نظر آتا ہے

جو جوانمرد علائق میں پھنسا ہے وہ مجھے
شیر پنجرے میں گرفتار نظر آتا ہے

دیکھ کر اے بتِ مغرور یہ اندازِ ستم
شرم سے چرخ نگونسار نظر آتا ہے

دلِ پر وسوسہ کا عقدہ ہے قفلِ وسواس
اس کا کھلنا مجھے دشوار نظر آتا ہے

مژدہ اے آبلہ پائی کہ پھر آنکھوں میں مری
دامنِ وادیٔ کہسار نظر آتا ہے

کم نمائی سے ہوا ہے ماہ لقا عید کے چاند
کہ برس میں کبھی اک بار نظر آتا ہے

دل نے ہے دیکھ لیا دفترِ تقدیر تمام
فلک اک [illegible] نظر آتا ہے

چشمِ ساقی نے یہ میخانہ میں پھیلایا کفر
گردنِ شیشہ میں زنار نظر آتا ہے

صحبتِ اہلِ صفا دیتی ہے سرکش کو الٹ
نخل پانی میں نگونسار نظر آتا ہے

دُرِ مضموں ہیں ترے ذوقؔ بس انمول یہاں
کم کوئی ان کا خریدار نظر آتا ہے

٨١ ہمدم! وبالِ دوش نہ کر پیرہن مجھے
کانٹا سا ہے کھٹکتا ہے مرا تن بدن سب مجھے

پھرتا لیے چمن میں ہے دیوانہ پن مجھے
زنجیرِ پا ہے موجِ نسیمِ چمن سب مجھے

اک سرزمینِ لالہ بہار و خزاں میں ہوں
یکساں ہے داغِ تازہ و داغِ کہن سب مجھے

خسرو سے تیشہ بولا جو چاٹوں نہ تیرا خوں
شیریں نہ ہووے خونِ سرِ کوہکن سب مجھے

رخ پر تمہارے دام جو ڈالا ہے سبزہ نے
آتا نظر ہے دیدۂ عنقا دہن سب مجھے

رکھتا ہے چشمِ لطف یہ کس کس ادا کے ساتھ
دیتا ہے جام ساقیٔ پیماں شکن سب مجھے

دکھلاتا اک ادا میں ہے سو سو طرح بناؤ
اس سادہ پن کے ساتھ ترا بانکپن سب مجھے

آیا ہوں نور لیکے میں بزمِ سخن میں ذوقؔ
آنکھوں پہ سب بٹھائیں گے اہلِ سخن مجھے

٨٢ مار کر تیر جو وہ دلبرِ جانی مانگے
کہہ دو ہم سے نہ کوئی دیکے نشانی مانگے

خاک سے تشنۂ دیدار کے سبزہ جو اُٹھے
تو زباں اپنی نکالے ہوئے پانی مانگے

دلِ مرا بوسہ پہ پیغام نہیں ہے ہمدم
یار لیتا ہے تو لے اپنی زبانی مانگے

جلوہ اُس عالمِ معنی کا جو دیکھے اے ذوق
لطفِ الفاظ نہ لے حُسنِ معانی مانگے

۸۳

نہ دیں گواہی جو داغِ کہن نہیں دیتے
دکھائی کیا مرے تن پر چمن نہیں دیتے

اجل ہے پوچھتی پھرتی مرا پتا یارو[۱]
بتا اُسے مرا بیت الحزن نہیں دیتے

عدم کی راہ میں بھی کچھ تو ہے خطر کا گزر
کہ ساتھ لینے بجز یک کفن نہیں دیتے

وہ تیر کھینچے ہے پہلو سے کھدے ہے دلِ زار
کہ ہے نشانیِ ناوک فگن نہیں دیتے

زبان حلاوتِ الفت کا لے مزہ کہ نہ لے
لب اپنی حد سے گزرنے سخن نہیں دیتے

سنبھال ناخنِ وحشت کو اب تو دستِ جنوں
کہ سینے پہ مرا چاکِ کفن نہیں دیتے

گلوں سے بن چکے جب وہ تو ہاتھ گلدستہ
تو بوئے ذوق جلا تن بدن نہیں دیتے

۸۴

اے صنم ہجر میں ہم جیتے بھلا پتھر سے تھے
سینہ تھا ہاتھ سر اپنا تھا یا پتھر سے تھے

وہ بھی دن یاد ہیں جب کوئے صنم میں اے دل
بسترِ خاک تھا اور تکیہ کی جا پتھر سے تھے

تیرے نالوں نے تو پتھر سے بہائے چشمے
اے بتو تم ہی پسیجے نہ ذرا پتھر سے تھے

کعبۂ عشق کا اے ذوق کیا ہم نے طواف
آئنہ خاک تھی اور سنگِ صفا پتھر سے تھے

تاجِ شاہی میں جگہ پائی تو کیا ہاتھ آیا
اور دھرے گر ترے در پہ تھے تو کیا پتھر تھے

کتنا رویا ہوں ولیکن نہ پسیجے وہ سنگ
سنگدل گر نہ ستمگر تھے تو کیا پتھر تھے

[۱] "یارو" کا لفظ ذوق کی شاعری کے زمانۂ ابتدائی میں دائرۂ غزلیات میں داخل تھا آخر عمر میں متروکات میں شامل ہوگیا تھا۔ اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکپن کی غزل ہے ۱۲

سنگ دل وہ ہے ترا ای ذوق صد حیف ہیں مرے
غیر کے حق میں جو گوہر تھے تو کیا پتھر تھے

۸۶

گر جنازے پہ نہیں قبر پہ آئے وہ مری
شکوہ کیا کیجے غنیمت ہی کہ آئے تو سہی

پارۂ مصحفِ دل تھے ترے کوچہ میں پڑے
آتے پاؤں کے تلے شکر کہ پائے تو سہی

گر گھٹاتا ہی گھٹے مہ کو بڑھاتا ہی فلک
پر شبِ ہجر کو ہم دیکھیں گھٹائے تو سہی

کروں اک نالے سے میں حشر میں برپا سو حشر
شورِ محشر مجھے سوتے سے جگائے تو سہی

تھے تمہیں نکلے جو اُن دام بلا سے ای ذوق
ورنہ تھے پیچ میں اُن زلف کے آئے تو سہی

(۸۷)

خیال دل میں پری نہ لاؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہی
تم آتے آؤ نہیں نہ آؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہی

یہ دل ہی آئینہ تم ہو صورت نہیں ہی یاں نام کو کدورت
کسی کو گھر میں بُلا بٹھاؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہی

خلل بنائے مکاں کو پہنچے تو ہوگا نقصاں مکیں کو پہلے
مکاں کو دل کے نہ تم گراؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہی

غلط ہی تہمت ہی افترا ہی کہ ہم نے دل اور کو دیا ہی
کسی کے کہنے پہ تم نہ جاؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہی

مکانِ دیدہ پسند خاطر اگر نہیں ہی کہ ہوں کے ظاہر
تو خیر تشریف تم نہ لاؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہی

تم اُس کو دو داغ مثلِ لالہ دیا کرو بیٹھکر اُجالا
بگاڑو تم اس کو یا بناؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہی

یہی زباں سے ہی ذوق کہتا تمہارا ہی دھیان اس میں رہتا
جدا مکاں اور کیوں بناؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہی

متفرق اشعار ردیف ی

۸۸
زباں پیدا کروں جوں آسیا سینے میں ہر کاں سے
دہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہی گریباں سے
اڑائے خوب گلچھرے نکل مجنوں نے زنداں سے
برستے پھول ہیں سر پر شرار سنگ طفلاں سے
چمکتی ہی سر مجنوں پہ بجلی سنگ باراں سے
لگے گی ابر رحمت کی جھڑی اب چشم گریاں سے
یہاں تک ناتواں ہیں ہم گزر جائیں اگر جاں سے
اٹھائے مور لاشہ کو ہمارے دست مژگاں سے
اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہی
کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخی دوراں سے

۸۹
پھرتا سرگشتہ نہ زمانے میں بھلا کیوں خورشید
ہوس گرمی بازار لیئے پھرتی ہی
وہ میرے اختر طالع کی ہی واژوں گردش
کہ فلک کو بھی نگونسار لیئے پھرتی ہی
کردیا کیا ترے ابرو نے اشارہ قاتل
کہ قضا ہاتھ میں تلوار لیئے پھرتی ہی
جا کے پھرتا نہ تھا اک بار جہاں وہاں مجھکو
بے قراری ہی کہ سو بار لیئے پھرتی ہی

۹۰
کون کہتا ہی وائے گذرا جی کو گھبراتے ہوئے
موت آتی ہی اجل کو یاں تلک آتے ہوئے
وہ نہ جاگے رات اور یاں غم سے بخت خفتہ کی
بچ گیا آخر کو جو زنجیر کھڑکاتے ہوئے
چاک آتا ہی نظر پیراہن صبح بہار
کس شہید ناز کو دیکھا ہی کفناتے ہوئے

۹۱
پیشوائی کو بڑھے گر کشش دل آگے
دوڑے مجنوں کی طرف ناقے سے محمل آگے
جانتے اس طرح سے اس کوچہ میں دل اور ہم
دل سے ہم آگے کبھی ہم سے کبھی دل آگے

گرچہ ہی وادیِ عنقا سے پرے سو قاف تجھ سا ناقص بھی غنیمت ہی اب اس وقت میں ذوق	۹۲	لیک ہی گم شدگی کی ابھی منزل آگے کاملیت ہی کہاں ہم چلے کامل آگے
ناقص کا صفا کیش سے مطلب نہ بر آئے فردوس میں فکر اُس لبِ شیریں کا گر آئے بت خانہ میں گر آہ کروں عشقِ صنم سے ممکن نہیں کم ہووے تپِ سوزِ محبت	۹۳	جو کور ہو عینک سے اُسے کیا نظر آئے پانی دہنِ چشمۂ کوثر میں بھر آئے ناقوس کا دل آبلہ کی طرح بھر آئے جوں شمع مجھے لاکھ پسینا اگر آئے
نعل جب شکلِ مہِ نو ترے توسن کو لگے	۹۴	چار چاند اور فلک پر مہِ روشن کو لگے
زاہد کو اگر صدق و صفا بھی ہی تو کیا ہی آزارِ محبت کا مزہ کیا کہوں جس کی سیراب نہ ہو جس سے کوئی تشنۂ مقصود	۹۵	بے درد اگر دل بہ خدا بھی ہی تو کیا ہی ہی درد دوا دیکھو دوا بھی ہی تو کیا ہی ای ذوق جو وہ آبِ بقا بھی ہی تو کیا ہی
گر رُخ کا بوسہ دیتے نہیں لب کا دیجیے فرہاد! ضربِ تیشہ سے ہی سخت ضربِ غم تم دو گھڑی کو آؤ تو میں لب پہ جان کو	۹۶	ہی وہ مثل کہ پھول نہیں پنکھڑی سہی سچ پوچھیے تو چوٹ ہمیں نے کڑی سہی ٹھہرا رکھوں کہ اور بھی یاں دو گھڑی سہی
کیا وہ دُنیا جس میں کوشش ہو نہ دیں کے واسطے خوں کے دریا بہ گئے عالم تہ و بالا ہوئے ذوق عاصی ہی پر اس کا خاتمہ کیجو بخیر	۹۷	واسطے واں کے بھی کچھ یا سب نہیں کے واسطے ای سکندر کس لیے؟ دو گز زمیں کے واسطے یا الٰہی اپنے ختم المرسلین کے واسطے

سوزِ دل سے مرے نالے جو شرربار ہوئے ٹکڑے اُڑ جائیں قفس کے تو اُڑینگے نہ کبھی چمن دل سے ہوئے کم نہ گلِ لختِ جگر	۹۸	مدعی جل گئے اچھا ہوا فی النّار ہوئے ہم ہیں صیاد کی الفت کے گرفتار ہوئے دو اگر خشک ہوئے اور ہرے چار ہوئے

۹۹

چھپا کے پھولوں میں منہ صبا سے جو مسکرائے سحر کلی ہی
تبسم اُس گل کا یاد کر کے عجب ہوئی دل کو بے کلی ہی
تپش دکھائی جو میں نے دل کی تو لوٹا پروانہ داغ کھا کر
دکھایا تم نے جو روئے روشن تو شمع محفل میں کیا جلی ہی
بناؤ للہ چوبِ صندل سے میرا تابوت اے عزیزو
کہ قتل مجھ کو کیا کسی نے دکھا کے رنگ اپنا صندلی ہی

ساتھ تیرے ہم بھی جوں سایہ مقرر جائینگے	۱۰۰	آگے جائیں پیچھے جائیں جائینگے پر جائینگے
اگر دور ہی کھونا دل مضطر سے کسی کے دل بس میں پڑا اُس کے کہ جو بس میں نہ آیا	۱۰۱	پانی تو پلا وار کے سر پر سے کسی کے جادو سے نہ ٹونے سے نہ منتر سے کسی کے
جو دل نہ کشمکشِ طرّۂ دوتا میں پڑے ہوائے سایۂ طوبےٰ نہیں ہی مستوں کو بتوں کے دزدِ نظر سے ہی دل مرا نالاں	۱۰۲	تو پھر بلا کو غرض ہی کوئی بلا میں پڑے رہینگے تاک کے نیچے کہیں جو امیں پڑے یہ چور وہ ہیں کہ جو خانۂ خدا میں پڑے
اک کلکِ آہ بس ہی شرحِ غم کے واسطے	۱۰۳	کون نیزے واسطے ڈھونڈھے قلم کے واسطے

سر تو ہی تن پر مرے تیغِ ستم کے واسطے		پر لگا رکھتے ہیں وہ چھوٹی قسم کے واسطے
اے ذوق نہ کر نور میں آمیزشِ ظلمت	۱۰۴	کیا کام تبرّہ کو محبت میں علیؑ کی
مقابل اُس رُخِ روشن کے شمع گر ہو جائے وہ دل میں رکھتا ہوں میں آہِ آتشیں اے ذوق	۱۰۵	صبا وہ دھول لگائے کہ بس سحر ہو جائے کہ برق دیکھے تو فی النّار والسقر ہو جائے
اسیری پر تری مرتا ہوں اے قمری لڑکپن سے مجھے گہوارہ بھی تھا کشتیِ طوفاں زدہ آسا	۱۰۶	جدا تن سے ہوئی گردن نہ اترا طوق گردن سے رہا ہوں طفلِ اشک آفت رسیدہ میں تو بچپن سے
یاں لگ چکے سب تن و دل و جاں ٹھکانے کیا جانے خبر لایا ہے کیا واں سے کہ قاصد	۱۰۷	اب تک نہیں کافر ترا ایمان ٹھکانے آتے نہیں تیرے نظر اوسان ٹھکانے
مرے حسنِ عمل سے معصیت بھی عار کرتی ہے اگر انسان قانع ہو تو ہے اکسیر سے بہتر	۱۰۸	مری توبہ پہ توبہ توبہ استغفار کرتی ہے ہوائے حرص لیکن اُس کی مٹی خوار کرتی ہے
ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں وفا کے بندے مت بھول بندگی پر غرّہ میں آ کے بندے	۱۰۹	اس کو یقین کرنا گر ہو خدا کے بندے زاہد سے تا بہ فاسق سب ہیں خدا کے بندے
ہم بتوں کو اپنے جذبِ دل سے کھینچے جائینگے دیکھیں تو کب تک نہیں کرتے ترے دل میں اثر	۱۱۰	پر بڑے پتھر ہیں یہ مشکل سے کھینچے جائینگے ہم بھی نالے اپنے جذبِ دل سے کھینچے جائینگے

کام بیجے گا کہیں اور ہی دانائی سے کیونکہ عینک کو نہ آنکھوں سے لگاؤں اے یار	۱۱۱	ناصحو جاؤ نہ لپٹو کسی سودائی سے چار آنکھیں ہوئیں تجھ قوتِ بینائی سے
کونسے دن نگہ تیز نہ خونریز رہی آتشِ عشق تو ہے گلشنِ جنت کی ہوا	۱۱۲	مجھ پہ ظالم تری ہر روز چھری تیز رہی یاں مگر آتشِ دوزخ سے بھی کچھ تیز رہی
ہم کو کیا یاں راہ پر ہے کوئی یا گمراہ ہے کیا بشر مانندِ یوسف کیا بشر ہاروت ار	۱۱۳	اپنی سب سے راہ ہے اور سب سے یاد اللہ ہے عشق کے ہاتھوں سے ہو جاتا اسیرِ چاہ ہے
عزیزو ناقۂ لیلیٰ کے دیکھو گے شتر غمزے کہاں ہم اور کہاں غم میکشوں کو غم سے کیا نسبت	۱۱۴	اگر مل جائے گی مجنوں کو خدمت ساربانی کی مگر اے حضرتِ دل آپ نے یہ مہربانی کی
[1]ہے خاطر نہ بے شغلِ محبت کیونکہ بندہ اپنی زمیں کیا ہے؟ فلک پاؤں کے نیچے سے نکل جائے	۱۱۵	کلیدِ قفلِ دل فریاد ہے مثلِ سپند اپنی ہماری خاک پر دکھلا وہ رفتارِ سمند اپنی
جو دل سے اپنے دمِ آتشیں نکل جائے ستم نے سیم تنوں کے کیا ہے ناک میں دم	۱۱۶	فلک کے پاؤں تلے سے زمیں نکل جائے الٰہی تن سے مرا دم کہیں نکل جائے
پیشِ اکرام سے ساری کرامت ہے یہی	۱۱۷	عادتِ بد ترک کر تو خرقِ عادت ہے یہی

[1] مرض الموت کے شروع ہو جانے کے دو تین بعد وفات سے دو ہفتہ قبل حافظ ویران کی فرمائش پہ یہ شعر لکھے تھے حافظ صاحب کو کیا معلوم تھا کہ یہ مرض پیغام اجل ہے انھوں نے معمولاً اس بیماری کی حالت میں بھی استاد سے یہ سوال کر دیا "پاؤں تلے کی زمین نکل گئی" اس محاورہ کو کس طرح باندھیں آپنے فوراً یہ دو شعر فی البدیہہ فرمائے اور انھوں نے یادداشت میں لکھ لیے۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۲)

۱۱۸
پھرتے ہیں لکھے پڑھے سودے میں مال و جاہ کے
طفلِ مکتب یہ ہنستے ہیں گنبد میں بسم اللہ کے

۱۱۹
بعد کو چاہئے یوں پیر پشت خم دیکھے
سرا کو جیسے تھکا اونٹ دمبدم دیکھے

۱۲۰
پلا مے آشکارا ہم کو کس کی ساقیا چوری
خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندہ کی کیا چوری

۱۲۱
رہی اس طرح بعد از مرگ دنیا کی ہوسنا کی
شرابی کر کے توبہ جس طرح ہو جائے تریاکی

۱۲۲
راتوں کو نہ ہو حق گرای شیخ مناجاتی
سوتے ہوئے چونکینگے رندانِ خراباتی

۱۲۳
کیا ہم سخنی کرتا ہی اس گل کے دہن سے
غنچہ سے یہ کہدو کہ کھسک جائے چمن سے

۱۲۴
قطرہ قطرہ آنسو جس کی طوفاں طوفاں شدت ہی
ٹکڑے ٹکڑے دل جو پڑا ہی تو وہ تو وہ حسرت ہی

۱۲۵
جسے ہم چاہتے ہیں وہ بتِ گمراہ بھی چاہے
ہمارے دل نے تو چاہا مگر اللہ بھی چاہے

۱۲۶
کل کے جو وصل کے عالم ہیں نظر میں پھرتے
آج تنہا خفقانی سے ہیں گھر میں پھرتے

۱۲۷
ہم اور غیر یکجا دونوں بہم نہ ہونگے
ہم ہونگے وہ نہونگے - وہ ہونگے ہم نہ ہونگے

اس شعر کے بعد مرنے سے تین گھنٹہ پہلے ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ کو یہ کہا تھا ؎
کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

جنوں کے دست مبارک ہیں پیرہن کو لگے	۱۲۸	رہا بھی تار نہ باقی کہ جو کفن کو لگے
لاشہ کو دفن کیجے میرے کہ پھینک دیجیے	۱۲۹	مردہ بدست زندہ جو چاہیے سو کیجے
معلوم ہوا بینی و ابروئے بتاں سے	۱۳۰	اک تیر ہی گویا کہ چڑھا ہی دو کماں سے
	۱۳۱ ڈسا ہو کالے نے جس کو کافر تو وہ فسوں کے اثر سے کھیلے دہانِ و گیسو کا تیرے مارا نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے	
بے قراری کا سبب ہر کام کی اُمید ہی	۱۳۲	ناامیدی سے مگر آرام کی اُمید ہی
اگر اُٹھے تو آزردہ جو بیٹھے تو خفا بیٹھے	۱۳۳	لگایا جی کو اپنے روگ جب سے جی لگا بیٹھے
باقی ہی دل میں شیخ کے حسرت گناہ کی	۱۳۴	کالا کرے گا منہ بھی جو داڑھی سیاہ کی
عیاں ہی اشک کی گرمی ہویدا سوزشِ دل ہی	۱۳۵	کہ آتا اپنا اشکِ سوختہ مانندِ فلفل ہی
دردِ دل سے لوٹتا ہوں میرا کس کو درد ہی	۱۳۶	میں ہوں لفظِ درد جس پہلو سے دیکھو درد ہی
	۱۳۷ دل گرفتار ہوا یار کی عیاری سے ہم گرفتار ہوئے دل کی گرفتاری سے	

جو کہوگے تم کہینگے ہم بھی ہاں یونہی سہی ۱۳۸ آپ کی یونہی خوشی ہی مہرباں یونہی سہی

۱۳۹
جس در پر یہ غل تھے کہ آتی کان پڑی آواز نہ تھی
عقل سحر اُس در پہ تھی حیران کھڑی آواز نہ تھی

۱۴۰
رازِ درونِ خم سے کسے اس پردہ میں آگاہی ہی
یوں تو ہر ایک زعم میں اپنے افلاطون الہٰی ہی

۱۴۱
وہ لعلِ شیریں کسی کے دل کی الہٰی کیا ہوگیا دوا ہی
کہ میٹھا میٹھا سا درد کل سے مرے کلیجے میں ہو رہا ہی

کتنے مفلس ہوگئے کتنے تونگر ہوگئے ۱۴۲ خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہوگئے

اب ہی جا زیرِ مغیلاں ترے دیوانوں کی ۱۴۳ مدتوں چھان چکے خاک بیابانوں کی

الفت کا نشہ جب کوئی مر جائے تو جائے ۱۴۴ یہ دردِ سر ایسا ہی کہ سر جائے تو جائے

رات جوں شمع کٹی ہم کو جو روتے روتے ۱۴۵ بہ گئے اشکوں میں ہم صبح کے ہوتے ہوتے

۱۴۶
کوئی جو اُس کو پڑھ کر عاشق کا خط سنائے
اک حرف مدعا پر سو بے نقط سنائے

نہیں ہچکی یہ ہچکی شام سے اک دم ٹھہرتی ہے	۱۴۷	ترے بیمارِ غم کو موت شاید یاد کرتی ہے

۱۴۸
ناخن سے منقار کی میرے داغِ جنوں کو زاغ کھجائے
عشق یہ تیری فطرت ہے تو سر سہلائے بھیجا کھائے

چاہیے زر ان بتانِ سیم تن کے واسطے	۱۴۹	یاں قلندر ہیں نہیں کوڑی کفن کے واسطے
پھر بہار آئی کفِ ہر شاخ پر پیمانہ ہے	۱۵۰	ہر روش پر جلوۂ بادِ صبا مستانہ ہے
ہوتا نہ اگر دل تو محبت بھی نہ ہوتی	۱۵۱	ہوتی نہ محبت تو یہ آفت بھی نہ ہوتی
مصروفِ چارہ دیکھا کیا چارہ گر کو میرے	۱۵۲	مرچیں سی لگ رہی ہیں زخمِ جگر کو میرے
مٹی سے اپنی مٹی جو تربت میں مل گئی	۱۵۳	جو کچھ کہ تھی مرادِ محبت میں مل گئی
بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سنے	۱۵۴	ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے
لال کتاب اپنی اب بادۂ لالہ رنگ ہے	۱۵۵	میکدہ اپنے واسطے مدرسۂ فرنگ ہے

۱۵۶
کیا تاب دل جلوں سے جو برق لاگ رکھے
دوزخ بھی ہو تو اُن کی چلموں پہ آگ رکھے

کرے کعبہ میں کیا جو سِرِّ بتخانہ سے آگہ ہے	۱۵۷	یہاں تو کوئی صورت بھی ہے ہاں اللہ ہی اللہ ہے
ہمیشہ کام مجنوں کو رہا صحرا نوردی سے	۱۵۸	بسایا خانۂ زنجیر ہم نے پائے گردی سے
جنوں سے میرے مجنوں بھاگتا جیسے بگولا ہے	۱۵۹	کہ میں صورت میں وحشت کی وہ یونہی اک ہیولا ہے
خاک اُڑاتا دشت میں جب تیرا سودائی پھرے	۱۶۰	پھر بگولا تو ہے کیا آندھی بھی بولائی پھرے
جہاں دنیا میں دیکھا سچ کے اوپر جھوٹ فائق ہے	۱۶۱	کہ پہلے صبحِ کاذب ہے تو پیچھے صبحِ صادق ہے
ذکر کچھ چاکِ جگر سینے کا سُن سُن اپنے	۱۶۲	کرکے میں ضبط ہنسی دیکھوں ہوں ناخن[ل] اپنے
کترے پر رکھنے میں صیّاد یہ اغماض کہ ہائے	۱۶۳	ملتی اس پر کفِ افسوس ہے مقراض کہ ہائے
وحشت اگر پتنگ کو ہووے گی داغ سے	۱۶۴	زنجیر گھر کے ڈالینگے دودِ چراغ سے
تری عمرِ دو روزہ خال ایک پتلی ہے دو کل کی	۱۶۵	کہ اک کل روزِ آخر کی ہے اک کل روزِ اول کی

ل کتب تصوف میں لکھا ہے کہ جب انسان کو بہت ہنسی آئے۔ تو ناخنوں کو دیکھنے لگے ہنسی تھم جائے گی سبب اس کا یہ لکھا ہے۔ کہ جب حضرت آدمؑ بہشت سے نکلے تھے تو ان کا جسم مبارک ایسا صاف اور روشن تھا۔ جیسے ناخن دنیا میں آکر بدلنا شروع ہوا۔ اور اولاد کا رنگ بدلتے بدلتے ایسا ہو گیا کہ ظاہر ہے۔ جب انسان ناخنوں کو دیکھتا ہے تو وہ حالت یاد آگاہی سے دل متنبہ ہوتا ہے اور افسوس میں ہنسی جاتی رہتی ہے۔ (از دیوان ذوق نسخہ آزاد)

دکھانے کو نہیں ہم مضطرب حالت ہی ایسی ہے	۱۶۶	مثل ہے روپ ہے ہو کیوں کہا صورت ہی ایسی ہے
پہلے بتوں کے عشق میں ایمان پر بنی	۱۶۷	پھر ایسی آ بنی کہ مری جان پر بنی
جس طرح ماہ سارے ستاروں میں ایک ہے	۱۶۸	یوں میرا مہ جبیں بھی ہزاروں میں ایک ہے
قسمتِ برگشتہ دیکھو اک نگہ کی تھی اودھر	۱۶۹	سو بھی آکر تا سرِ مژگاں حیا سے پھر گئی

۱۷۰

کہتے ہیں[1] آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

گُل[2] بھلا کچھ تو بہاریں اے صبا دکھلا گئے	۱۷۱	حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے
کیا کہوں اس ابروئے پیوستہ کے دل بس میں ہے	۱۷۲	ایک طعمہ مچھلیاں دو کشمکش آپس میں ہے
اشک کے قطرے جو مژگاں پر اکٹھے ہو گئے	۱۷۳	خوشۂ انگور کے بھی دانت کھٹے ہو گئے

[1] یہ وہ شعر ہے جو مرنے سے تین گھنٹہ قبل کہا تھا گویا اُستاد ذوق کا آخری نتیجہ فکر یہی ہے

[2] بعض زبانوں پر یہ مصرعہ اس طرح چڑھا ہوا ہے " پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے " یہ مطلع اس غزل کا ہے جو ذوق نے بادشاہ ظفر کے دوازدہ سالہ شہزادہ مرزا بلاقی کی وفات کی خبر سُن کر ۱۲۳۳ھ میں تصنیف کی تھی اس مطلع میں اسی کم عمر شہزادہ کی وفات کی طرف اشارہ ہے ۱۲

تمام شُد

غلطنامہ منتخب غزلیات ذوق

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱۷	دستیات	دستیاب
۴	۳	ہوازنہ	موازنہ
۸	۹	خان	جان
۱۸	۲۰	اخر	اثر
۲۲	۵	ساتھ	ہاتھ
۲۸	۸	مارانا	مارنا
۳۲	۲	ہوگپا	ہوگیا
۳۲	۸	شمیسر	شمشیر
۳۳	۵	میں کرناہی	میں خون کرناہی
۳۷	۷	درومال	زرومال
۴۲	۱۰	سوجائے	ہوجائے
۴۴	۱۴	مرض الموت تین دن پہلے	مرض الموت سے تین دن پہلے
۴۷	۱۳	کشادادل	کشادِ دل
۵۷	۷	موکے	ہوکے
۶۷	۱۴	غزل نمبر ۳ کا مطلع اس طرح بھی مشہور ہے ؎ [illegible]	
۷۰	۱۳	یادگا	یادگار
۷۱	۱۳	تماتا	تماشا
۷۲	۲	دیکھے	دبکھے
۹۰	۱۶	مامم	تمام
۱۰۱	۳	جتنا ہی جی چراپا	جیا ہی جی چرایا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۱	۹	دھوکا	دھوکا
۱۰۷	۱۷	غزل نمبر ۹۳ کے شعر نمبر ۱ کا مصرعہ یوں بھی پڑھا جاتا ہے :- ؎ [illegible] گرہ ہے چشمۂ آب بقا تو کیا	
۱۰۹	۱۴	خوحق	جوحق
۱۱۰	۸	سوجتا ہی	سمجھتا ہے
۱۱۱	۱۰	سوزن	سوز
۱۱۲	۴	گیا	گیا
۱۱۷	۷	خانُہ	خانۂ
۱۱۸	۱۲	بھڑکاٹے	بھڑکاتے
〃	۱۷	چشم	چشم
〃	۱۹	جائے	جائے
۱۳۰	۹	شعلہ	شعلہ
۱۳۱	۳		تکبیر
〃	۱۹	تشنہ	تشنہ
۱۳۸	۱۱	رح	رخ
〃	۱۴	خان	جان
〃	۱۴	نہیں	نہیں
۱۳۹	۱۶	اک	ہایک
۱۳۶	۳	پھر یہ بگولا	یہ بگولا
〃	۹	غال	غافل

اخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

م ح ۱۵-۴۳-۱۹۱۶

محمد ابراہیم ذوق

انتخابِ کلیاتِ ذوق